© rasailojaraid.com

مسئلہ تقلید۔ حقیقت، مفہوم، تقاضے

تحریر: حافظ شبیر احمد جامعی، ممبر دارالافتاء، استاذ
شعبہ علوم اسلامیہ، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور

قرآن وسنت میں اگرچہ تفقہ فی الدین اور اجتہاد فی الدین کی بڑی اہمیت، ضرورت اور فضیلت بیان کی گئی ہے۔ لیکن اس کے باوجود امت کے ہر فرد کا فقیہ و مجتہد اور علوم دینیہ کا جید عالم اور ماہر شریعت ہونا عملاً ناممکن ہے۔ اس لیے کہ سب کی صلاحتیں برابر ہوتی ہیں اور نہ سب کا ذوق و شوق ہی یکساں ہوتا ہے۔ پھر جہاد و قتال، زراعت و تجارت، صنعت و حرفت اور زندگی کی دوسری دینی و دنیوی سرگرمیاں بھی جاری رکھنی پڑتی ہیں۔ اسلام کا بنیادی علم حاصل کرنا تو ہر مسلمان کے ایمان کا تقاضا ہے اور اس کا حصول ضروری بھی ہے، مگر ہر شخص کا علم و فقاہت میں خود کفیل اور مستغنی ہونا ایک سراب ہے جس کا حقائق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ایک صاحب علم آدمی کو تو براہ راست کتاب وسنت سے حکم صحیح معلوم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، اور اس تحقیق و تجسس میں علمائے سلف کی ماہرانہ آراء سے بھی مدد لینی چاہیے۔ نیز اختلافی مسائل میں اسے ہر تعصب سے پاک ہو کر کھلے دل سے تحقیق کرنا چاہیے کہ ائمہ مجتہدین میں سے کس کا اجتہاد کتاب وسنت سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے۔ پھر جو چیز حق معلوم ہو اسی کی پیروی کرنی چاہیے۔

اسلام میں دراصل تقلید سوائے رسول اللہ ﷺ کے اور کسی کی نہیں ہے اور رسول اللہ ﷺ کی تقلید بھی اس بنا پر ہے کہ آپ ﷺ جو کچھ فرماتے اور عمل کرتے ہیں وہ اللہ کے اذن اور فرمان کی بنا پر ہے، ورنہ اصل میں مطاع اور آمر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں۔

ائمہ کی پیروی کی حقیقت صرف یہ ہے کہ ان ائمہ نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی چھان بین کی، آیات قرآنی اور سنتِ رسول ﷺ سے معلوم کیا کہ مسلمان کو عبادات اور معاملات میں کس طریقہ پر چلنا چاہیے، اور اصولِ شریعت سے جزئی احکامات کا استنباط کیا۔ لہٰذا وہ بجائے خود آمر و ناہی نہیں ہیں۔ نہ بذات خود مطاع اور متبوع ہیں۔ بلکہ علم نہ رکھنے والے کے لیے علم کا ایک معتبر ذریعہ ہیں۔ جو شخص خود احکام الٰہی اور سننِ نبوی ﷺ میں نظر بالغ نہ رکھتا ہو اور خود اصول سے فروع استنباط کرنے کا اہل نہ ہو اس کے لیے اس کے سوا چارہ نہیں ہے کہ علماء اور ائمہ میں سے جس پر بھی اسے اعتماد ہو، اسکے بتائے ہوئے طریقہ کی پیروی کرے۔ اگر کوئی شخص اس حقیقت سے اس کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیروی کرتا ہے تو اس پر کسی اعتراض کی گنجائش نہیں لیکن اگر کوئی شخص ان کو بطور خود آمر و ناہی سمجھے یا ان کی اطاعت اس انداز سے کرے جو اصل آمر و ناہی کی اطاعت میں اختیار کیا جاسکتا ہے، یعنی ائمہ میں سے کسی کے مقرر کردہ طریقے سے ہٹنے کو اصل دین سے ہٹ جانے کا ہم معنی سمجھے اور اگر کسی ثابت شدہ حدیث یا صریح آیت قرآنی کے خلاف ان کا کوئی مسئلہ پایا جائے تب بھی وہ اپنے امام کی پیروی پر اصرار کرے، تو بلاشبہ یہ شرک ہوگا۔

بے علم شخص کا اپنے دین پر عمل کرنے کے لیے عالمِ دین کی طرف رجوع کرنا اور کم علم رکھنے والے شخص کا اپنے سے زیادہ علم رکھنے والے سے استفادہ کرنا، بلکہ ہر فن میں غیر ماہر کا اس فن کے ماہر پر اعتماد کرنا ایک ایسی زمینی اور معروضی حقیقت ہے جس کا زبانی اقرار نہ کرنے والے بھی اپنے عمل سے اس کی ضرورت کا اعتراف کرتے ہیں۔ اس لیے کہ تعلیم و تعلم اور ہر مسلک کے اختلاف کا اپنے اسلاف کے علمی ورثہ سے استفادہ کرنا دورِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لے کر آج تک تسلسل و تواتر اور تعامل کے ساتھ چلا آرہا ہے، اور آج بھی مدارسِ دینیہ، علمی و تحقیقی مراکز اور لائبریریوں و کتب خانوں میں آنکھوں سے دیکھا جاسکتا ہے۔ لیکن اس مسلمہ حقیقت کے باوجود قرآن و سنت کی نصوص سے اور خود ائمہ مجتہدین کے اپنے اقوال سے ثابت ہوتا ہے کہ ائمہ اربعہ اور دوسرے علماء و فقہاء کا مقام، واضعین دین اور شارعین دین کا نہیں ہے، بلکہ ان کا مقام صرف مبلغین دین اور معلمین دین کا ہے۔ یعنی ائمہ دین اور دیگر فقہاء و مجتہدین احکام و قوانین بنانے والے نہیں بلکہ صرف بتانے والے ہیں۔ اسلام میں یہ مقام کسی نسل، علاقے، گروہ اور فرقہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اس کا سارا دارومدار میرٹ اور اہلیت پر ہے۔ جو بھی تفقہ فی الدین اور تبحر فی العلم حاصل کرلیگا امت اسے یہ مقام خود بخود دے دے گی، بلکہ حالات خود بخود اسے اس مقام پر بٹھا دیں گے۔ مگر اسلام تھیوکریسی، اتخاذ الارباب اور اتخاذ الانداد کی اجازت نہیں دیتا کہ عالم و فقیہ کو تحلیل و تحریم کے کلی اختیارات دے دیئے جائیں اور اس کا فتویٰ و فیصلہ آیت قرآنی اور حدیث نبوی ﷺ کے مقابلہ میں بھی حجت اور واجب التعمیل قانون سمجھ لیا جائے۔ تھیوکریسی کا یہ تصور یہودیت اور نصرانیت میں تو ہے مگر اسلام میں اس نوع کے شرک کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ''لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ'' اپنے دین میں غلو نہ کرو اور حد سے آگے نہ بڑھو۔ یعنی دین کے کسی حکم کو اور دین کے کسی امام کو اس کے اپنے اصل مقام سے نہ بڑھاؤ اور نہ گھٹاؤ، مگر افسوس ہے کہ آج تفرق و تحزب اور فرقہ وارانہ عصبیت کی وجہ سے کچھ لوگوں نے قولاً تو نہیں مگر عملاً ائمہ دین اور فقہاء مجتہدین کو ''اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ'' کا درجہ دے دیا ہے، اور کچھ لوگوں نے اپنے آپ کو ہر چیز میں خود کفیل اور مستغنی عن المجتہدین سمجھ کر ائمہ دین اور فقہاء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دین سے بے نیازی کا وہ طریقہ اختیار کرلیا ہے جو کسی طرح بھی قابل تحسین نہیں ہے، بلکہ خود پسندی، خودرائی اور آزادروی کا یہ رویہ قابل مذمت ہے۔ اجتہادی مسائل میں مجتہدین پر اعتماد کرنا اور صریح الدلالت نص کے مقابلہ میں اجتہاد کو نظر انداز کردینا، یہی اعتدال کی راہ ہے۔

قرآن کریم میں مسائل ونوازل اور نزاعات کا حکم معلوم کرنے کے لیے جہاں قرآن وسنت کی جانب رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے، وہاں مجتہدین و مستنبطین کی طرف رجوع کرنے کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ اسی طرح اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم بھی دیا گیا ہے اور اولوالامر کی اطاعت کا حکم بھی دیا گیا ہے، جن میں فقہاء دین بھی شامل ہیں۔ اسی طرح قرآن وسنت میں جہاں علم دین اور تفقہ فی الدین حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے:

"فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ" (التوبہ)

طلب العلم فريضة على كل مسلم" (الحدیث)

وہاں اہل علم سے پوچھنے کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

"فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ"۔ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ"

اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ مجتہدین، اولوالامر اور اہل علم اللہ اور رسول کے احکام کے مقابلے میں بھی واجب الاطاعت ہیں۔ حالانکہ یہ تو خود مخلوق ہیں اور اللہ کے بندے ہیں، معبود کیسے بن سکتے ہیں؟ بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اللہ کے احکام پہچاننے والے ہیں، سمجھانے والے ہیں، بتانے والے ہیں اور رشد وہدایت کے وسائل ہیں۔ یہی وہ اتباع وتقلید ہے جس کے بغیر دین کا نظام چل ہی نہیں سکتا، اور جس کے جواز ہی سے نہیں بلکہ ضرورت واہمیت سے انکار کرنا بھی ایک امر بدیہی اور معروضی وزمینی حقیقت سے انکار کرنا ہے۔

ہمارے نزدیک مسئلہ تقلید کی یہی تنقیح وتحقیق ہے جس کا خلاصہ ان تمہیدی سطور میں بیان کردیا گیا ہے۔ لیکن چونکہ تفرق وتحزب اور فرقہ وارانہ عصبیت نے اس مسئلہ کو الجھا دیا ہے اس لیے اس کے مختلف پہلوؤں کی تھوڑی سی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے اور اجتہاد کی مذکورہ بحث کی تکمیل کے لیے تقلید وقیاس کی بحث بھی ضروری ہے۔ اسی بناء پر اصولیین انہی کتابوں میں اجتہاد وقیاس کے مباحث کے بعد استفتاء اور تقلید کے مباحث کا ذکر بطور خاص کرتے ہیں۔

تقلید کا لغوی معنی:

تقلید کے لغوی معنی ہیں "گردن میں قلادہ ڈالنا" اور قلادہ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو گردن میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈالی جائے خواہ گلے کا ہار ہو یا تلوار کا پرتلہ ہو یا رسی ہو یا جوتا ہو یا کوئی دوسری چیز مثلاً پٹہ وغیرہ۔ سورۃ المائدہ کی آیت:۲ میں ’’القلائد‘‘ کا لفظ ان جانوروں کے لیے استعمال ہوا ہے جن کے گلے میں بطور نشانی کوئی ایسی چیز لٹکائی گئی ہو جس سے معلوم ہوتا ہو کہ یہ حرم مکہ میں ذبح کرنے کی غرض سے لیے جارہے ہیں یعنی یہ حرم کے لیے ہدیہ اور تحفہ ہیں۔ بخاری ابواب الحج میں آیا ہے: ’’قلد الهدی فاحرم‘‘ یعنی رسول اللہ ﷺ نے قربانی کے جانوروں کے گلے میں پٹہ ڈالا اور احرام باندھ لیا۔ اس لغوی معنی کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے لفظ تقلید کا اطلاق لغت میں اکثر پانچ معانی پر ہوتا ہے۔

۱۔ دین میں دلیل معلوم کیے بغیر کسی کا اتباع کرنا۔

۲۔ والیوں اور افسروں کو کام سپرد کرنا۔

۳۔ قربانی کے جانوروں کے گلے میں کوئی چیز لٹکانا۔

۴۔ عورت کے گلے میں ہار ڈالنا۔

۵۔ مرد کے گلے میں تلوار لٹکانا۔

عربی لغت کے مشہور و معروف اور قدیم امام علامہ جوہری (م ۳۹۲ھ) لکھتے ہیں:

’’القلاده التی فی العنق قلدت المراة فتقلدت هی ومنه التقليدفی الدين وتقليدالولاةالاعمال وتقليد البدنةان يعلق فی عنقهاشئی ليعلم انها هدی ويقال تقلدت السيف وقال الشاعر:

يالیت زوجك قدغدا　　متقلداسيفاورمحا ای حاملا رمحا

’’قلادہ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو گلے میں ڈالی گئی ہو جیسے کہا جاتا ہے کہ میں نے عورت کے گلے میں ہار ڈالا تو اس نے ہار گلے میں لٹکالیا۔ اسی بنا پر دین میں کسی کی اتباع کو بھی تقلید کہتے ہیں، والیوں کو کام سپرد کرنے کو بھی تقلید کہتے ہیں اور اونٹ کے گلے میں کوئی چیز لٹکانے کو بھی تقلید کہتے ہیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ حرم کا ہدیہ ہے، کہا جاتا ہے کہ میں نے گلے میں تلوار لٹکا دی ہے، جیسا کہ شاعر نے کہا ہے کہ: کاش تیرا شوہر کل اس حال میں سامنے آئے کہ اس نے گلے میں تلوار لٹکائی ہو اور ہاتھ میں نیزہ لٹکا ہوا ہو‘‘

جوہری کی اس عبارت میں مذکورہ پانچوں معانی بیان ہوئے ہیں۔ مناصب وعہدے ایک بوجھ ہوتا ہے جو عمال و امراء یا قاضیوں اور دوسرے افسروں کے گلے میں ڈالا جاتا ہے، اس لیے ان ذمہ داریوں پر تقرر کو تقلید کہا جاتا ہے۔ اسی طرح کسی حکم کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کا بوجھ چونکہ عالم اور مفتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر پڑتا ہے جس کے علم پر اعتماد کر کے لوگوں نے دلیل معلوم کیے بغیر اس کے فیصلے اور فتوے پر عمل کیا ہو اور یہ بہت بڑا بوجھ اور ذمہ داری جسے عالم اور مفتی اٹھاتا ہے اس لیے اس کے اتباع کو تقلید کہا جاتا ہے۔

تقلید کے اصطلاحی معنی

اصول فقہ کی کتابوں میں تقلید کی جو اصطلاحی اور فنی تعریف کی گئی ہے' چاروں فقہی مکاتب فکر کی مستند کتابوں سے پہلے اس کے الفاظ بمعہ ترجمہ نقل کیے جاتے ہیں' اور آخر میں ان سب کا حاصل مفہوم بیان کیا جائے گا:

۱۔ شوافع کے معروف امام وفقیہ' امام الحرمین الجوینی (م ۴۷۸ھ) فرماتے ہیں:

''فقال قائلون التقلید قبول قول الغیر من غیر حجۃ وقال قائلون التقلید ھو قبول قول الغیر وانت لاتدری من این یقولہ''(۱)

''بعض ائمہ نے کہا ہے کہ تقلید اس کو کہتے ہیں کہ کسی کی بات بغیر حجت کے قبول کر لی جائے' اور بعض نے کہا ہے کہ تقلید کے معنی یہ ہیں کہ کسی کی بات مان لی جائے حالانکہ تو جانتا نہ ہو کہ اس نے یہ بات کہاں سے لے کر کہی ہے''

۲۔ امام الحرمین کے شاگرد امام غزالیؒ (م ۵۰۵ھ) لکھتے ہیں:

''التقلید ھو قبول قول بلا حجۃ ولیس ذلک طریقا الی العلم لا فی الاصول ولا فی الفروع''(۲)

''تقلید کسی کی بات بغیر دلیل کے قبول کرنے کا نام ہے' اور تقلید علم ویقین کے حصول کا ذریعہ نہیں ہے (بلکہ ظنی چیز ہے) نہ اصول دین میں نہ فروع دین میں''

۳۔ شافعیہ کے دوسرے فقیہہ علامہ سیف الدین آمدی (م ۶۳۱ھ) کے نزدیک:

''اما التقلید فعبارۃ عن العمل بقول الغیر من غیر حجۃ ملزمۃ''(۳)

''تقلید فقہاء اس سے عبارت ہے کہ کسی کے قول پر ایسی حجت کے بغیر عمل کیا جائے جو واجب کرنے والی ہو''

۴۔ حنابلہ کے مستند فقیہہ علامہ ابن قدامہ مقدسی (م ۶۲۰ھ) فرماتے ہیں:

''وھو فی عرف الفقھاء قبول قول الغیر من غیر حجۃ''(۴)

''تقلید کے عرف میں کسی کی بات بغیر حجت کے مان لینے کا نام ہے''

۵۔ حنفیہ کے مشہور اصولی علامہ محب اللہ بہاری (م ۱۱۱۹ھ) اور مسلم الثبوت کے شارح علامہ عبدالعلی بحر العلوم (م ۱۲۲۵ھ) یوں وضاحت کرتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"(التقليدالعمل بقول الغيرمن غيرحجة)متعلق بالعمل والمراد بالحجة حجةمن الحجج الاربع والافقول المجتهد دليله وحجته (كاخذالعامی)من المجتهد (والمجتهدمن مثله فالرجوع الی الدليل اوالی الاجماع ليس منه)فانه رجوع الی الدليل (وكذا العامی الی المفتی والقاضی الی العدولؔ)وليس هذا الرجوع بنفسه تقليداًوان كان العدل بمااخذوالبعده تقليد(لايجاب النص ذلك عليهما)فهوعمل بحجة لابقول الغيرفقط (لكن العرف علی ان العامی مقلد للمجتهد)بالرجوع اليه (قال امام) امام الحرمين (وعليه معظم الاصوليين)وهو المستهرالمعتمدعليه"(۵)

''تقلید بغیر حجت کے کسی کے قول پر عمل کرنے کا نام ہے'بغیر حجت کا تعلق عمل سے ہے (یعنی عمل کرنے والے کو دلیل معلوم نہ ہو ورنہ مجتہد کا قول تو دلیل پر مبنی ہوتا ہے) اور حجت سے مراد چار شرعی دلائل میں سے کوئی دلیل' ورنہ مجتہد کا قول تو اس کے مقلد کے لیے حجت اور دلیل ہوتا ہے (اس لیے کہ بے علم شخص کو اللہ نے اہل علم سے پوچھنے کا حکم دیا ہے) جیسے عام شخص کا کسی مجتہد سے اور مجتہد کا اپنے جیسے دوسرے مجتہد سے حکم حاصل کرنا۔بس حکم لینے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی طرف یا اجماع کی جانب رجوع کرنا تقلید نہیں ہے (بلکہ اتباع ہے) اس لیے کہ یہ دلیل کی طرف رجوع کرنا ہے'اسی طرح عام آدمی کا مفتی کی طرف رجوع کرنا اور قاضی کا گواہوں کا تزکیہ وتعدیل کرنے والوں کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں ہے' اس لیے کہ اس رجوع کو شرعی نص نے ان پر واجب کیا ہے' تو یہ حجت و دلیل پر عمل کرنا ہے' صرف کسی کے قول پر عمل کرنا نہیں ہے یعنی مفتی اور تزکیہ کرنے والوں کی طرف رجوع کرنا بذات خود تقلید تو نہیں ہے' اس لیے کہ اس کا اسے حکم دیا گیا ہے' لیکن معلوم کردہ حکم پر اور تزکیہ وتعدیل پر بعد میں عمل کرنا تقلید ہے (اس لیے کہ فتوے اور تزکیے کی دلیل مستفتی اور قاضی کو ذاتی طور پر معلوم نہیں ہے' بلکہ صرف اعتماد کی بنا پر عمل کرتے ہیں) مگر عرفاً عام آدمی مجتہد کا مقلد ہی سمجھا جاتا ہے۔امام الحرمین نے کہا ہے کہ اکثر اصولیین کی اصطلاح یہی ہے اور مشہور و معتمد قول بھی یہی ہے کہ عام شخص مفتی کا مقلد ہوتا ہے''

مسلم الثبوت'' اور اس کی شرح ''فواتح الرحموت'' کی مذکورہ عبارت کا حاصل مفہوم یہ ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تقلید کسی ایسے قول کو ماننے اوراس پر عمل کرنے کا نام ہے جو بجائے خود شرعی دلیل نہ ہو' بلکہ اسے صرف اس اعتماد پر قبول کیا گیا ہو کہ اس کے قائل کو شرعی احکام شرعی دلائل سے معلوم کرنے کی اجتہادی بصیرت اور خصوصی مہارت حاصل ہے اور یہ تقوی دار اور دیانت دار بھی ہے۔ اس لیے اس نے مجھے اللہ اور رسول کا وہ حکم بتایا ہوگا جس کی دلیل اس کو ضرور معلوم ہوگی' لیکن میں اس دلیل کو سمجھ نہیں سکتا۔ اس تعریف کی رو سے کوئی عالم' فقیہہ اور مفتی جب قرآن وسنت کی نصوص سے یا اجماع سے کوئی حکم معلوم کر کے اس پر خود عمل کرتا ہے یا فتوی پوچھنے والوں کو فتوی دیتا ہے تو یہ تقلید نہیں ہے بلکہ اتباع ہے۔ اسی طرح عامی کا مفتی سے مسئلہ پوچھنا اور قاضی کا تزکیہ کرنے والوں سے گواہوں کی اہلیت کے بارے میں پوچھنا تو تقلید نہیں ہے بلکہ شرعی دلیل پر عمل کرنا ہے' اس لیے کہ شریعت تقاضا کرتی ہے کہ ان کی طرف رجوع کیا جائے۔ لیکن جب مفتی نے فتوی دے دیا اور تزکیہ کرنے والوں نے گواہوں کو عادل قرار دے دیا تو اب ان کے قول پر عمل کرنا تقلید ہے' اس لیے کہ یہ عمل صرف اعتماد پر مبنی ہے' ورنہ عامی کو فتوے کی دلیل کا علم نہیں ہوتا' اور قاضی کو گواہوں کی عدالت و دیانت کا ذاتی طور پر علم نہیں ہوتا۔ لیکن اہل عرف اور اصولیین اس فرق کو نظر انداز کر کے عام طور پر عامی کو مجتہد اور فقیہہ کا مقلد بھی کہتے ہیں۔

حاصل مفہوم:

مذکورہ تمام تعریفات سے تقلید کی جو فقہی اور فنی واصطلاحی ماہیت وحقیقت ثابت ہوتی ہے اس کے اجزائے ترکیبی درج ذیل ہیں:

۱۔ جس کے قول کے مطابق عمل کیا جائے اس کا قول شرعاً دلیل نہ ہو۔

۲۔ عمل کرنے والے کو قائل کے قول کی دلیل معلوم نہ ہو' مگر قائل کو اپنے قول کی دلیل معلوم ہو۔

۳۔ عمل کرنے والا قائل کے قول اور مفتی کے فتوے پر عمل اس اعتماد کی بنیاد پر کرتا ہے کہ اس نے شرعی دلائل سے شرعی حکم معلوم کر کے مجھے بتایا ہے' اپنے شخصی اور ذاتی پسند و ناپسند پر فتوی نہیں دیا' اس لیے میں شرعی حکم پر عمل کر رہا ہوں' کسی کی ذاتی رائے پر عمل نہیں کر رہا۔

یہ ہے تقلید کی حقیقت جو دراصل عوام الناس کے لیے ہے جو مفتی اور فقیہہ کے دلائل نہ تو جانتے ہیں اور نہ ہی جاننے کی صلاحیت رکھتے ہیں' بلکہ اس اعتماد کی بنا پر اس کے قول اور فتوے پر عمل کرتے ہیں کہ یہ شرعی احکام کو ان کے اصول ومآخذ سے معلوم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ شریعت نے عوام کو اس نوع کے اعتماد کی بنا پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے' اس لیے کہ ہر شخص کے لیے دلائل سے براہ راست احکام معلوم کرنا عملاً ناممکن ہے۔ اگر ظن واعتماد کو ناقابل عمل قرار دیا جائے تو زندگی کا سارا نظام ہی درہم برہم ہو جائے گا۔ اگر مفتی نے دیدہ دانستہ غلط فتوی دیا تو حدیث میں آیا ہے کہ اس کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گناہ عمل کرنے والے پر نہیں بلکہ فتوی دینے والے پر پڑے گا۔ البتہ اگر فتوی پوچھنے والے اور اس پر عمل کرنے والے کو بعد میں کسی وجہ سے مفتی کی غلطی معلوم ہو جائے اور اسے پتہ چل جائے کہ مفتی یا فقیہہ کا یہ قول شرعی دلائل کے خلاف تھا تو پھر وہ اس پر عمل نہیں کرے گا' ورنہ گناہ گار ہوگا' اور مفتی کا فتوی اسے اللہ کی گرفت سے بچا نہیں سکے گا۔ باقی رہے وہ متبحر اور جید علماء جو اگر چہ ائمہ اربعہ اور دوسرے اکابر ائمہ جیسی اجتہادی بصیرت تو نہیں رکھتے اور غیر منصوص مسائل کے احکام قیاس واجتہاد کے ذریعہ معلوم کرنے کی خصوصی مہارت بھی ان کو حاصل نہیں ہوتی' لیکن ان کو اللہ تعالیٰ نے اتنا تبحر علمی عطا کیا ہوتا ہے کہ وہ ائمہ اربعہ اور دوسرے فقہاء ومحدثین کے بیان کردہ دلائل اور ان کی توجیہات وتاویلات کو سمجھ سکتے ہیں اور راجح ومرجوح یا قوی وضعیف کے درمیان فرق وامتیاز کرنے کی صلاحیت سے یکسر محروم نہیں ہوتے۔ اگر چہ مجتہدین سے ان کا علم کم ہوتا ہے' تو ایسے علماء کے لیے صرف مجتہدین کے اقوال پر فتوے دینا صحیح طریقہ نہیں ہے بلکہ ان کو دلائل کی بنیاد پر فتوی دینا چاہیے' اس لیے کہ یہ مجتہدین کے دلائل کو سمجھ سکتے ہیں۔ عامیین اور امیین محض نہیں ہیں' اور ان کا مجتہدین اور فقہاء ومحدثین کے بیان کردہ دلائل کی روشنی میں فتوی دینا یا فیصلہ کرنا یا خود عمل کرنا تقلید نہیں ہے' اس لیے کہ انہوں نے دلائل معلوم کرنے کے بعد فتوی یا فیصلہ دیا ہے اور تقلید دلیل معلوم کیے بغیر کسی کی بات ماننے کو کہتے ہیں۔ تعجب ہے کہ آج کل کے بعض مقلدین کہتے ہیں کہ مجتہدین کے دلائل کو سمجھنے کی صلاحیت رکھنے والے بھی صرف ان کے اقوال پر عمل کریں گے اور فتوی دیں گے' اس لیے کہ مقلد کے لیے حجت صرف مجتہد کا قول ہوتا ہے۔ مقلد کے لیے مجتہد کا قول اس وقت حجت ہوتا ہے جب وہ اس کے دلائل کو سمجھ نہ سکتا ہو۔ مگر متبحر اور جید علماء تو مجتہدین کے دلائل کو روزانہ مدارس اور مراکز علمیہ میں پڑھتے پڑھاتے اور سمجھتے سمجھاتے رہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ بخاری' ترمذی یا ہدایہ اور شرح وقایہ پڑھانے والے صرف مجتہدین اور محدثین کے اقوال تو طالب علموں کو یاد نہیں کراتے' بلکہ ان کے دلائل بھی سمجھاتے ہیں۔ اگر ان کے اندر مجتہدین کے دلائل ومآخذ معلوم کرنے کی صلاحیت نہیں ہے تو پھر یہ دلائل کیسے بیان کرتے ہیں اور کیوں بیان کرتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ دلائل کی سمجھ رکھنے والے علماء' مجتہدین کے مقلدین نہیں ہیں بلکہ ان کے متبعین ہیں اور دلائل کی سمجھ نہ رکھنے والے عوام ان علماء کے مقلدین ہیں جن سے وہ مسئلہ پوچھتے ہیں۔

منصوص احکام کے خلاف کسی کی تقلید کرنا حرام ہے:

جب کسی شخص کو کسی بھی مسئلہ میں قرآن کی صریح الدلالت آیت یا رسول اللہ ﷺ کی صحیح الاسناد' صریح الدلالت اور غیر منسوخ حدیث سے شرعی حکم معلوم ہو جائے تو اس صورت میں کسی فقیہہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ومجتہد یا کسی امیر و رئیس کی تقلید کرنا حرام ہے۔ اس لیے کہ یہ ''اِتَّخَاذُ الْاَرْبَاب'' اور ''اِتَّخَاذُ الْاَنْدَادِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ'' یعنی اللہ کے علاوہ کسی اور کو رب بنانا اور اس کے ساتھ کسی اور کو شریک بنانا ہے جو کہ شرک اور حرام ہے۔ اس لیے کہ تحلیل وتحریم کا حق اور حاکمیت وشارعیت کا حق ومقام اللہ کے علاوہ کسی اور کو حاصل نہیں ہے' اسی کو تھیوکریسی اور پاپائیت کہتے ہیں جس میں یہود ونصاری مبتلا تھے۔

مولانا عبدالماجد دریابادی نے لکھا ہے کہ:

''مسیحیوں کے ہاں فرقہ کیتھولک میں آج بھی پوپ (پاپائے روم) بہ حیثیت نائب مسیح سارے اختیارات علانیہ رکھتا ہے' اور فرقہ پروٹسٹنٹ نے بھی عملاً سارے اختیارات چرچ (کلیسا) کو دے رکھے ہیں۔ یہود کے ہاں بھی ''ربیون'' کے احکام خود توراۃ کے احکام پر غالب آ گئے ہیں (۶)

دارالعلوم کراچی کے شیخ الحدیث مولانا تقی عثمانی جو سپریم کورٹ آف پاکستان کے شریعت بنچ کے جج بھی رہ چکے ہیں' انہوں نے انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس جلد سوم کے مقالہ ''عیسائیت'' کے حوالہ سے لکھا ہے کہ قرون وسطی کا زمانہ یعنی ۸۰۰ء (۱۸۴ھ) سے لے کر ۱۵۲۱ء (۹۲۸ھ) تک کا دور دراصل پاپائیت اور شہنشاہیت کے درمیان اقتدار اور اختیارات کے لیے خانہ جنگی کا دور تھا جس میں آخر کار شہنشاہیت نے فتح پائی اور پاپائیت کا زور ٹوٹا لیکن الٹا لوگ مذہب ہی سے متنفر ہو گئے۔ (۷)

پاپائیت میں تحلیل وتحریم اور شریعت وقانون کا مآخذ پوپ کی مرضی اور منشا ہوتی ہے اور اسے سپریم لاء کی حیثیت حاصل ہوتی ہے اور شہنشاہیت میں بادشاہ کی پسند وناپسند سپریم لاء کی حیثیت رکھتا ہے۔ مگر اسلام میں سپریم لاء قرآن وسنت ہے' جس میں نہ پاپائیت کی گنجائش ہے اور نہ بادشاہیت کی اجازت ہے بلکہ اس نے قرآن وسنت کے پابند شورائی نظام کا تصور دیا ہے جسے خلافت کہا جاتا ہے۔ اس نظام کا نام تو خلافت ہے لیکن اسے قرآن وسنت کی پابند جمہوریت یعنی کنٹرولڈ ڈیموکریسی کہنا بھی درست ہے۔ اسلام میں نہ پوپ کو رب بنانے کی اجازت ہے اور نہ شہنشاہ کو رب کا درجہ دینے کی اجازت ہے۔ بلکہ قرآن تو اللہ ہی کی ربوبیت اور اسی کی عبادت کی طرف اہل کتاب کو بلاتا ہے۔

''قُلْ یَااَھْلَ الْکِتَابِ تَعَالَوْااِلٰی کَلِمَۃٍسَوَاءٍ بَیْنَنَاوَبَیْنَکُمْ اَنْ لَانَعْبُدَ اِلَّااللّٰہَ وَلَا نُشْرِكَ بِہٖ شَیْئًاوَلَایَتَّخِذَبَعْضُنَابَعْضًااَرْبَابًا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوااشْھَدُوْا بِاَنَّامُسْلِمُوْنَ'' (۸)

''کہہ دو کہ اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں' اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنا لے" اس دعوت کو قبول کرنے سے اگر وہ منہ موڑیں تو صاف کہہ دو کہ گواہ رہو، ہم تو مسلم (صرف خدا کی بندگی واطاعت کرنے والے) ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے قیصر روم ہرقل کے نام جو دعوتی خط ارسال فرمایا تھا اس میں اس آیت کا حوالہ بھی دیا گیا تھا۔ اہل کتاب نے چونکہ اپنے احبار ورھبان کو رب کا درجہ دے دیا تھا اس لیے ان کو بطور خاص دعوت دی گئی کہ ایک دوسرے کو رب نہ بناؤ۔ سورہ توبہ میں ان کے اس شرک کا ذکر اس طرح ہوا ہے کہ:

"اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ" (۹)

"بنا لیا ہے انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ کو اپنے لیے رب سوائے اللہ کے"

رب بنانے سے کیا مراد ہے؟ اس کا جواب خود رسول اللہ ﷺ نے اس طرح دیا ہے:

"عن عدی بن حاتم قال اتیت النبی ﷺ وفی عنقی صلیب من ذهب فقال یاعدی اطرح عنك هذاالوثن وسمعته یقرأسورة براء ة'اتخذوااحبارهم ورهبانهم اربابامن دون اللّٰهفقال اما انهم لم یكونوایعبدونهم ولكنهم اذاحلواشیئا استحلوه واذاحرمواعلیهم شیئاحرموه" (۱۰)

"بنو طی قبیلے کے سردار، حاتم طائی کے بیٹے حضرت عدی فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس اس حال میں آیا کہ میرے گلے میں سونے کا صلیب لٹک رہا تھا' آپ ﷺ نے فرمایا: اس بت کو اپنے گلے سے اتار لو۔ اس موقع پر میں نے آپ ﷺ سے سورہ براۃ کی یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا کہ انہوں نے اپنے احبار ورھبان کو رب بنا لیا تھا سوائے اللہ کے، اور اس کی تفسیر میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ خوب سمجھ لو یہ لوگ ان کی پوجا نہیں کرتے تھے لیکن ان کے یہ علماء اور درویش جب کسی چیز کو حلال قرار دیتے تو وہ بھی اسے اسے حلال سمجھ لیتے اور جب وہ کسی چیز کو حرام ٹھہرا لیتے تو وہ بھی اسے حرام تسلیم کر لیتے"

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو متعدد طرق واسانید کے ساتھ امام احمد بن حنبلؒ ابن جریر، ابن سعد، عبد بن حمید، ابن المنذرؒ، ابن ابی حاتم اور بیہقی نے بھی نقل کیا ہے۔ (۱۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تحلیل وتحریم اور وضع احکام کا کسی کو غیر مشروط اختیار دینا اور اللہ ورسول ﷺ کے فیصلے کے مقابلہ میں اس کے فیصلہ کو تسلیم کرنا اسے رب بنانا ہے اور شرک ہے خواہ وہ علماء ومشائخ ہوں یا ملوک وسلاطین ہوں۔ اس نوع کے شرک کو 'اتخاذ الانداد من دون اللّٰه" بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہا جاتا ہے۔جیسا کہ اللہ رب العالمین نے فرمایا ہے:

''وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ''(۱۲)

''اورلوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ کے علاوہ دوسروں کواس کا شریک بنالیا ہے کہ وہ ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے رکھنی چاہیے مگر جولوگ ایمان لائے ہیں ان کے دلوں میں اللہ کی محبت سب سے زیادہ ہوتی ہے''

انداد کے مفہوم میں مشرکین کے وہ آلہہ بھی شامل ہیں جن کی وہ عبادت وپرستش کرتے تھے اور وہ رؤساا ور ائمہ دین ومقتدایان قوم بھی اس کے عموم میں شامل ہیں جن سے اندھی عقیدت کی وجہ سے لوگ ان کی ہدایات وتعلیمات کی غیر مشروط اطاعت کرتے ہیں اوران کی آراء سے اختلاف کرنا گستاخی اور بے ادبی سمجھتے ہیں خواہ وہ اللہ ورسول کے احکام وہدایات کے خلاف ہوں۔حالانکہ ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ اللہ کی محبت سب پر غالب ہواوراس کے احکام کے مقابلے میں کسی کا قول تسلیم نہ کیا جائے۔

امام ابن جریر طبری (م ۳۱۰ھ)''انداد'' کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قال بعضهم هي آلهتهم التي كانوايعبدونهامن دون الله---وقال آخرون بل الاندادفي هذا الموضع انماهم سادتهم الذين كانوا يطيعونهم في معصية الله''(۱۳)

''بعض اہل تاویل نے کہا ہے کہ یہ اندادان کے وہ معبود تھے جن کی وہ عبادت کرتے تھے---مگر دوسروں نے کہا ہے کہ اس جگہ انداد سے مرادان کے وہ سردار ہیں جن کی وہ اللہ کی نافرمانی میں بھی اطاعت کرتے تھے''

تفسیر کبیر،تفسیر قرطبی اور تفسیر روح المعانی میں بھی مذکورہ دونوں قول نقل کیے گئے ہیں،لیکن دوسرے قول کے لیے ایک واضح قرینہ یہ ہے کہ اس آیت کے بعد قیامت کے روز متبوعین کا اپنے تابعین سے اور تابعین کا اپنے متبوعین سے براءت کا ذکر ہوا ہے،جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس جگہ ''انداد'' سے وہ لوگ مراد ہیں جن کے متبعین ان کی اندھی تقلید کرتے تھے اور اللہ ورسول کے احکام کے مقابلہ میں ان کا اتباع کرتے تھے۔اجتہادی مسائل میں فقہاء اسلام اور ائمہ مجتہدین کا اتباع کرنا تو ظاہر ہے کہ بے علم یا کم علم آدمی کے لیے ضروری ہے،لیکن قرآن وسنت کی واضح نصوص کے مقابلہ میں کسی امام یا کسی شیخ کی رائے پر اصرار کرنا ایک خطرناک بیماری ہے جو غالی معتقدین اور اندھے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقلدین میں سرایت کرچکی ہے۔

اندھی تقلید کی مذمت اور ائمہ اربعہ

دلیل معلوم کرنے کی صلاحیت کے باوجود دلیل معلوم کیے بغیر مجتہدین کے اقوال پر فتوی دینا وہ اندھی تقلید ہے جس کی مذمت خود ائمہ اربعہ سے مروی ہے۔ بطور مثال چند حوالے پیش خدمت ہیں:

۱۔امام ابوحنیفہؒ:

''کان ابوحنیفۃؒ یقول حرام علی من لم یعرف دلیلی ان یفتی بکلامی وقال لاینبغی لاحدان یقول قولاحتی یعلم ان شریعۃ رسول اللہ ﷺ تقبلہ۔۔۔وکان الامام الاعظم یقول ایاکم وآراء الرجال''(۱۴)

''امام ابوحنیفہؒ فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص کو میری دلیل معلوم نہ ہو اس کے لیے صرف میرے قول پر فتوی دینا حرام ہے اور کسی کے لیے دین میں کوئی بات کرنا مناسب نہیں ہے جب تک کہ وہ یہ معلوم نہ کرلے کہ رسول اللہ ﷺ کی شریعت اسے قبول کرتی ہے۔۔۔اور امام اعظم یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ افراد کی آراء پر عمل کرنے سے دور رہو''

۲۔امام ابویوسفؒ:

''لایحل لاحدان یقول بمقالتناحتی یعلم من این قلنا''(۱۵)

''کسی کے لیے بھی حلال نہیں ہے کہ وہ ہمارے قول پر فتوی دے جب تک کہ اسے یہ معلوم نہ ہوجائے کہ ہم نے یہ بات کہاں سے لی ہے''

۳۔امام مالکؒ:

''من ترک قول عمربقول ابراھیم النخعی انہ یستتاب فکیف بمن ترک قول اللہ ورسولہ بقول من ھودون ابراھیم اومثلہ''(۱۶)

''جس شخص نے ابراہیم نخعی کے قول کی وجہ سے حضرت عمرؓ کا قول چھوڑ دیا ہو تو اس سے توبہ کرائی جائے گی، تو پھر اس شخص کا کیا حال ہوگا جس نے اللہ اور اس کے رسول کا قول اس شخص کے قول کی وجہ سے چھوڑ دیا جو ابراہیم نخعی سے بھی کم درجے کا ہو یا اس کے برابر ہو''۔

۴۔امام شافعیؒ:

''لایلزم قول بکل حال الاکتاب اللہ وسنۃ رسولہ وان ماسواھما تبع لھما''(۱۷)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"کسی کا قول ہر حالت میں لازم الاتباع نہیں ہو سکتا سوائے اس کے کہ قرآن و سنت میں اس کی دلیل موجود ہو' اس لیے کہ قرآن و سنت کے علاوہ ہر ایک کا قول ان دونوں کے تابع ہوگا"

۵۔ امام احمد بن حنبلؒ:

"لا تقلدنی ولاتقلد مالکاً ولاشافعیا ولا الاوزاعی وخذمن حیث اخذوا وقال من قلةفقه الرجل ان یقلددینه الرجال"(۱۸)

"نہ میری تقلید کرو' نہ مالک کی' نہ شافعی کی' نہ ثوری کی اور نہ اوزاعی کی' بلکہ اس جگہ سے احکام لیا کرو جس جگہ سے انہوں نے لیے تھے' یہ بات کسی شخص کی کم فہمی کی دلیل ہے کہ وہ اپنے دین میں افراد کی تقلید کرے"۔

یہ پانچ مشہور اور امت کے مسلمہ ائمہ دین کے اقوال ہیں جن کا تعلق عامۃ الناس سے نہیں ہے بلکہ فتوی دینے والے علماء ہی ان کے مخاطب ہیں' جو اگر چہ ان مجتہدین کے مقابلہ میں کم علم ہوتے ہیں مگر ان کے دلائل کو سمجھ سکتے ہیں' خواہ ان ائمہ کے براہ راست شاگرد ہوں یا آج کے متبحر اور جید علماء دین ہوں۔ ان سب کو ائمہ خمسہ کی نصیحت اور وصیت یہی ہے کہ ان کے اقوال پر مآ خذ اور دلیل معلوم کیے بغیر فتوی نہ دیا جائے۔ یہ بات اپنی جگہ بالکل بجا اور درست ہے کہ احادیث کی صحت و عدم صحت معلوم کرنا' نسخ اور عدم نسخ کا علم' احادیث کے دلالات' اقتضاءات و اشارات کو سمجھنا اور ان سے احکام کا استنباط کرنا ہر عالم کے بس کی بات نہیں ہے' بلکہ اس کے لیے خصوصی مہارت' اجتہادی بصیرت اور اعلی درجے کا تقوی اور ورع کی ضرورت ہوتی ہے اور ائمہ اربعہ کے بعد کسی کو یہ مقام حاصل نہیں ہو سکا ہے۔ لیکن امت میں آج تک ہر دور میں ایسے علماء موجود رہے ہیں اور آج بھی موجود ہیں جو ائمہ اربعہ کی تحقیقات و اجتہادات کو سمجھ سکتے ہیں اور راجح و مرجوح کے درمیان انہی ائمہ کے اصول کی روشنی میں امتیاز بھی کر سکتے ہیں تو آخر کیوں ان کو ایک متعین مجتہد کے قول پر فتوی دینے کا پابند کیا جاتا ہے اور ائمہ اربعہ کے مذکورہ اقوال کو صرف ان کے شاگردوں یا مجتہدین کے ساتھ مخصوص کرنے کی آخر دلیل کیا ہے؟ ان کے عام الفاظ سے عوام الناس کو خارج کرنے کی تو معقول وجہ موجود ہے کہ وہ دلائل کو سمجھ نہیں سکتے' لیکن دلائل کو سمجھنے کی اہلیت و صلاحیت رکھنے والے علماء کو مستثنٰی کرنے کی آخر کون سی معقول وجہ ہے؟

تقلید کے بارے میں مفسرین و محدثین اور فقہاء اسلام کے اقوال:

دلیل کے بغیر کسی مجتہد کے محض قول پر فتوی دینے یعنی اندھی تقلید کی مذمت کے بارے میں پانچ "ائمۃ الفقہاء" کے اقوال تو آپ پڑھ چکے ہیں۔ اب متقدمین اور متاخرین میں سے بعض دوسرے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فقہاءاسلام اور مفسرین ومحدثین کے چند اقوال ملاحظہ کیجئے:

ابن عبدالبر (م ۴۶۳ھ):

مشہور فقیہہ اور محدث ابن عبدالبر نے اپنی کتاب ''جامع بیان العلم وفضلہ'' میں تقلید کے عدم جواز کے لیے مستقل باب قائم کیا ہے، جس کے آغاز میں تقلید کی مذمت میں قرآن کریم کی متعدد آیات نقل کی ہیں، جو دراصل مشرکین عرب کی تقلید الآباء کے بارے میں نازل ہوئی تھیں اور ان کا پہلا مصداق مشرکین عرب کی مشرکانہ تقلید ہے، لیکن ان کا حوالہ دیتے ہوئے یہ عظیم فقیہہ اور محدث لکھتے ہیں:

''ومثل هذافی القرآن کثیرمن ذم تقلیدالآباء والرؤساء وقداحتج العلماء بهذه الآیات فی ابطال التقلیدولم یمنعهم کفراولئك من الاحتجاج بهالان التشبیه بین التقلیدین بغیرحجة للمقلد---فاذا بطل التقلیدبکل ماذکرناوجب التسلیم للاصول التی یجب التسلیم لهاوهی الکتاب والسنة اوماکان فی معناهابدلیل جامع بین ذلك''(۱۹)

''آباء واجداد اور رؤساء کی تقلید کی مذمت میں اس قسم کی بہت سی آیات قرآن کریم میں موجود ہیں جن پر علماء نے تقلید کے ابطال کے لیے استدلال کیا ہے اور ان کے آباء ورؤساء کے کافر ہونے کی وجہ سے علماء نے اپنے استدلال کو غلط قرار نہیں دیا، اس لیے کہ دونوں تقلیدوں کے درمیان وجہ تشبیہ حجت ودلیل کے بغیر تقلید کرنا ہے۔ جب ہماری ذکر کردہ آیات سے تقلید کا بطلان ثابت ہو گیا تو پھر انہی اصول و مآخذ کا ماننا لازم ہے جن کا تسلیم کرنا شرعاً واجب ہے یعنی کتاب وسنت یا وہ دلیل جو ان دونوں سے ثابت ہے (مثلاً اجماع)

ابن عبدالبر کا مقصد یہ ہے کہ اگرچہ یہ آیات ان لوگوں کی تقلید کے بارے میں نازل ہوئی تھیں جو مشرک تھے، لیکن ممانعت کی اصل وجہ اللہ ورسول کے احکام کے مقابلہ میں بغیر کسی حجت ودلیل کے ان کی تقلید کرنا ہے اس لیے اس قسم کی تقلید کسی مومن ومسلم امام ورئیس کی بھی جائز نہیں ہے کیونکہ نصوص کے مقابلے میں نہ کسی کافر ومشرک کا قول وعمل حجت بن سکتا ہے اور نہ کسی مومن متقی کا قیاس واجتہاد حجت بن سکتا ہے۔ البتہ قرآن وسنت کو سمجھنے میں فقہاء عابدین کا اتباع کیا جا سکتا ہے۔

ابن عبدالبر تقلید اور اتباع کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''جس شخص کی پیروی تم نے دلیل کے بغیر کی ہو تو تم اس کے مقلد ہو اور تقلید اللہ کے دین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں صحیح نہیں ہے۔اور جس کی پیروی تم پر کسی دلیل نے واجب کردی ہو(یعنی اس کا قول دلیل ہو یا اس نے اپنے قول پر دلیل پیش کی ہو)تو پھر تم اس کے متبع ہو،اور دین میں اتباع جائز ہے مگر تقلید جائز نہیں ہے۔(۲۰)

امام فخر الدین رازیؒ (م ۶۰۶ھ):

امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں جگہ جگہ اندھی تقلید کے خلاف اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے۔لیکن سورہ توبہ کی آیت :۳۱ میں ''اتخاذ الارباب'' کی تفسیر میں پہلے تو عدی بن حاتم کی حدیث نقل کی ہے جس کا حوالہ پہلے دیا جا چکا ہے اور اپنے شیخ کا ایک مشاہدہ نقل کیا ہے جو بڑا افسوس ناک اور حیرت انگیز ہے اور خود مجھے بھی اس قسم کے تلخ تجربے کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔امام رازیؒ فرماتے ہیں:

''قال الربیع قلت لابی العالیة کیف کانت تلك الربوبیة فی بنی اسرائیل؟فقال انھم ربما وجدوا فی کتاب اللّٰہ مایخالف اقوال الاحبار والرھبان فکانوا یأخذون باقوالھم ما کانوا یقبلون حکم کتاب اللّٰہ قال شیخنا و مولانا خاتمة المحققین والمجتھدین رضی اللّٰہ عنہ قد شاھدت جماعة من مقلدة الفقھاء قرأت علیھم آیات کثیرة من کتاب اللّٰہ تعالیٰ فی بعض المذاھب و کانت مذاھبھم بخلاف تلك الآیات فلم یقبلوا تلك الآیات ولم یلتفتوا الیھا وبقوا ینظرون الی کالمتعجب یعنی کیف یمکن العمل بظواھر ھذہ الآیات مع ان روایة سلفنا وردت علی خلافھا ولو تأملت حق التامل وجدت ھذا الداء ساریا فی عروق الاکثرین من اھل الدنیا''(۲۱)

''ربیع کہتے ہیں کہ میں نے ابو العالیہ سے پوچھا کہ بنی اسرائیل میں یہ کیسی ربوبیت تھی؟انہوں نے کہا کہ بنی اسرائیل بسا اوقات اللہ کی کتاب میں اپنے علماء اور درویشوں کے اقوال کے خلاف حکم پاتے لیکن اس کے باوجود وہ ان کے اقوال کو مانتے تھے اور کتاب اللہ کے حکم کو قبول نہیں کرتے تھے۔میرے شیخ و مولی نے جو خاتمۃ المحققین والمجتہدین کا مقام رکھتے تھے،مجھے فرمایا تھا کہ:میں نے فقہاء کے مقلدین کی ایک جماعت دیکھی تھی جن کے سامنے میں نے بعض مسائل کے بار میں بہت سی آیات پڑھیں مگر ان کے فقہی مذاہب چونکہ ان آیات کے مفہوم کے خلاف تھے اس لیے انہوں نے ان آیات کو قبول نہ کیا اور ان کی طرف التفات تک نہ کیا بلکہ میری طرف تعجب سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیکھنے لگے۔ان کا تعجب اس پر تھا کہ ان آیات کے ظاہری معنوں پر کس طرح عمل کیا جاسکتا ہے جب کہ ہمارے سلف کی روایت ان کے خلاف مروی ہیں۔اگر تم ٹھیک ٹھیک غور کروگے تو تم اہل دنیا کی اکثریت کی رگوں میں اس بیماری کو جاری وساری پاؤ گے"

ابو عبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبیؒ (م ۶۷۱ھ)

امام قرطبی مشہور مفسر ہیں۔سورہ بقرہ آیت:۱۷۰ کی تفسیر میں انہوں نے تقلید کے بارے میں بڑے اچھے نکات بیان کیے ہیں' چنانچہ لکھتے ہیں:

"قال علماء نا:وقوةالفاظ هذه الآيةتعطى ابطال التقليدونظيرها واذا قيل لهم' تعالواالى الله والى الرسول قالوا حسبناماوجدناعليه آباء نا۔تعلق قوم بهذه الآيةفى ذم التقليد وهذافى الباطل صحيح اماالتقليدفى الحق فأصل من أصول الدين وعصمةمن عصم المسلمين يلجأاليهاالجاهل المقصرعن درك النظر۔۔۔ التقليد ليس طريقا للعلم ولاموصلاله لافى الاصول ولافى الفروع وهوقول جمهورالعقلاء والعلماء"(۲۲)"

"ہمارے علماء نے کہاہے کہ:اس آیت کے الفاظ کی قوت' تقلید کے باطل ہونے پر دلالت کرتی ہے' اوراس کی نظیر یہ آیت ہے کہ: جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آجاؤ اللہ اور اس کے رسول کی جانب تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے لیے وہ طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے' ایک گروہ نے تقلید کی مذمت کے لیے اس آیت سے استدلال کیا ہے باطل کی تقلید میں تو یہ صحیح بات ہے' لیکن حق میں تقلید کرنا تو دین کے اصول میں سے ایک اصل ہے اور مسلمانوں کی پناہ گاہوں میں سے ایک پناہ گاہ ہے' جس پر ہر وہ شخص مجبور ہوتا ہے جو لاعلم ہو اور اس کی سوچ کمزور ہو۔۔۔۔تقلید علم تک پہنچانے والا راستہ نہیں ہے' نہ اصول میں اور نہ ہی فروع میں"۔

قرطبی کا مقصد یہ ہے کہ لاعلم یا کم علم شخص کے لیے اہل علم کی تقلید تو دین کا ایک مسلمہ اصول ہے لیکن قرآن وسنت کے احکام کے مقابلہ میں کسی کی تقلید جائز نہیں ہے اور یہ علم ویقین کے حصول کا ذریعہ بھی نہیں ہے' بس اعتماد اور ظن ہے جس کی اجازت لاعلم یا کم علم شخص کو دی گئی ہے' اندھی تقلید کی مذمت اور عدم جواز کے بارے میں قرطبی نے مشہور شافعی فقیہ ومتکلم ابن درباس کا تفصیلی اقتباس بھی نقل کیا ہے۔(۲۳)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حافظ ابن قیمؒ (م ۷۵۱ھ):

حافظ ابن قیمؒ نے اپنی کتاب ''اعلام الموقعین'' میں تقلید کے خلاف بڑے تفصیلی دلائل دیئے ہیں، جلد دوم کے صفحہ ۱۴۸ اور ۲۶۰ تک پورے ۹۲ صفحات پر یہ بحث پھیلی ہوئی ہے۔ انہوں نے مقلدین اور غیر مقلدین کے درمیان ایک طویل مناظرہ ومباحثہ بھی نقل کیا ہے اور قائلین تقلید کے نقلی اور عقلی دلائل کے تفصیلی جوابات بھی دیئے ہیں۔ اس پوری بحث کی حرف بحرف تائید تو نہیں کی جاسکتی۔ شیخ حبیب احمد کیرانویؒ نے ''الدین القیم'' کے نام سے ایک مستقل رسالے میں اس بحث پر تبصرہ کیا ہے۔ ابن قیم کے ناقدین اور مؤیدین کے درمیان اور خود ابن قیم کی اس طویل بحث میں مناظرانہ انداز اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کا جو رویہ اختیار کیا گیا ہے اسے نظر انداز کرتے ہوئے، ہم اصل مسئلے پر ابن قیمؒ کا نقطہ نظر پیش کرتے ہیں جس کا ذکر انہوں نے خود بحث کے آغاز میں کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

''تقلید کی ایک قسم حرام ہے، دوسری واجب ہے اور تیسری جائز ہے، پہلی قسم کی پھر تین قسمیں ہیں:

اولاً: اللہ کے نازل کردہ احکام سے اعراض کرکے باپ دادا کی تقلید کرنا۔

ثانیاً: اس شخص کی تقلید کرنا جس کی اہلیت اس کے مقلد کو معلوم نہ ہو۔

ثالثاً: اس شخص کی تقلید کرنا جس کے قول کے خلاف اس کے مقلد پر حجت اور دلیل ظاہر ہو چکی ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ان تینوں قسموں کی متعدد آیات میں مذمت کی ہے، مثلاً:

''وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ'' (البقرہ: ۱۷۰)

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے نازل کردہ احکام کا اتباع کرو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اسی طریقے پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ کیا یہ ان کا اتباع کرتے ہیں اگرچہ وہ کسی چیز کی سمجھ نہ رکھتے ہوں اور انہوں نے ہدایت بھی نہ پائی ہو''

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

''وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ'' (الزخرف: ۲۲، ۲۳)

''اور اسی طرح نہیں بھیجا تھا ہم نے تم سے پہلے کسی بستی میں کوئی بھی ڈرانے والا رسول مگر اس بستی کے سرکش دولت مندوں نے کہا تھا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(مذہب) پر پایا ہے اور ہم انہی کے نقش قدم پر چلتے رہیں گے۔ اللہ کے رسول نے (ان کے جواب میں) کہا تھا کہ تم ان کے پیچھے چلتے رہو گے اگرچہ میں تم کو اس راستے سے اچھا اور سچا راستہ بتانے آیا ہوں جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے"

اور تیسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"وَاِذَاقِيۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا اِلَى الرَّسُوۡلِ قَالُوۡاحَسۡبُنَامَاوَجَدۡنَاعَلَيۡهِ اٰبَاۤءَ نَا" (المائدہ:۱۰)

"اور جب ان سے کہا جاتا ہے آجاؤ اس کتاب کی طرف جو اللہ نے نازل کی ہے اور آجاؤ رسول کی طرف تو کہتے ہیں کہ کافی ہے ہمارے لیے وہی طریقہ جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے"

اس قسم کی بہت سی آیات قرآن کریم میں موجود ہیں جن میں ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو احکام الٰہی سے روگردانی کرتے ہوئے باپ دادا کی تقلید پر قانع اور مطمئن ہو گئے ہیں۔ اگر کوئی سوال کرے کہ ان آیات میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو کفار کی تقلید کرتے تھے' جن کے پاس نہ علم تھا اور نہ ہی ہدایت تھی۔ ان آیات میں ہدایت یافتہ علماء دین کی تقلید کی مذمت تو نہیں کی گئی' بلکہ اہل علم سے پوچھنے کا تو اللہ نے خود حکم دیا ہے' جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

"فَاسۡئَلُوۡا اَهۡلَ الذِّكۡرِاِنۡ كُنۡتُمۡ لَاتَعۡلَمُوۡنَ" (النحل:۴۳)

"پس اہل علم سے پوچھ لیا کرو اگر تم علم نہ رکھتے ہو"

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ نے قرآن وسنت سے اعراض کر کے باپ دادا کی تقلید کرنے والوں کی مذمت کی ہے اور یہی وہ تقلید ہے جس کی حرمت پر سلف صالحین اور ائمہ اربعہ متفق ہیں۔

"واما تقلید من بذل جهده فى اتباع ما انزل الله خفى عليه بعضه قلد فيه من هو اعلم منه فهذ محمود غير مذموم وما جور غير مازور كما سياتى عند ذكر التقليد الواجب والسائغ ان شاء الله" (۲۴)

"باقی رہی اس شخص کی تقلید جس نے اللہ کے نازل کردہ احکام کے اتباع کی پوری کوشش کی مگر بعض احکام اس پر واضح نہ ہو سکے ہوں جس کی بناء پر اس نے اپنے سے زیادہ علم رکھنے والے کی تقلید کی ہو تو ایسی تقلید مذموم نہیں ہے بلکہ محمود ہے اور اس پر اسے اجر ملے گا۔ اس پر گناہگار نہ ہوگا۔ جیسا کہ تقلید واجب اور تقلید جائز کے ذکر کے موقع پر اس کی وضاحت آ رہی ہے"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حافظ ابن قیمؒ کا مقصد یہ ہے کہ قرآن وسنت کو سمجھنے کے لیے فقہاء کی تقلید مذموم نہیں ہے بلکہ محمود ہے اور آیات قرآنی میں اس کی مذمت نہیں کی گئی لیکن قرآن وسنت کے صریح احکام کو چھوڑ کر آباء واجداد یا علماء ومشائخ کی تقلید کرنا یقیناً مذموم ہے اور آیات قرآنی میں اسی قسم کی تقلید کی مذمت کی گئی ہے۔ حافظ موصوف کی تفصیلی بحث نے اگرچہ مناظرانہ اسلوب اختیار کرلیا ہے جس کا تعاقب شیخ حبیب احمد نے پورے ۹۱ صفحات میں کیا ہے لیکن اس طویل بحث کا جو خلاصہ انہوں نے بحث کے آغاز میں دیا ہے اس سے ان کے ناقدین بھی اختلاف نہیں کرسکتے اور مجھے تو اس سے مکمل اتفاق ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ):

ابن حزم ظاہریؒ (م ۴۵۶ھ) نے تقلید کو حرام قرار دیتے ہوئے اس کے خلاف اپنی کتاب ''الاحکام فی اصول الاحکام'' میں بڑی تفصیلی اور تندوتیز بحث کی ہے اور اپنی عادت کے مطابق غیرمحتاط اور سطحی باتیں بھی لکھی ہیں۔ ملاحظہ کیجئے جزء سادس میں باب نمبر ۳۶ تا ۱۸۲ طبع ضیاء السنۃ فیصل آباد ۱۴۰۴ھ۔

شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ'' میں اس پر بڑا متوازن ومعتدل اور نفیس تبصرہ کیا ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

''ابن حزم نے جو یہ کہا ہے کہ تقلید حرام ہے تو ان کی یہ بات اس شخص کے بارے میں ہے جس کے اندر اجتہاد کی صلاحیت موجود ہو مگر پھر بھی تقلید کرتا ہو۔ اسی طرح یہ بات اس شخص کے بارے میں بھی صحیح ہے جس پر رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ (امر یا نہی) واضح ہو چکا ہو اور اس کا منسوخ ہونا ثابت نہ ہوا ہو تو ایسی صورت میں حدیث رسول کی مخالفت کی وجہ یا تو نفاق ہوگا یا پھر کھلی جہالت وحماقت ہوگی۔ اس قسم کی تقلید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شیخ عزالدین بن عبدالسلام (م ۶۶۰ھ) نے فرمایا ہے کہ:

''ومن العجب العجيب ان الفقهاء المقلدين يقف احدهم على ضعف مأخذ امامه بحيث لايجد لضعفه مدفعاوهو مع ذلك يقلد فيه ويترك من شهدله الكتاب والسنة والاقيسة الصحيحة لمذهبهم جمودا على تقليد امامه بل يتحايل لدفع ظواهر الكتاب والسنة ويتأ ولها بالتاويلات البعيدة الباطلة نضالا عن مقلده''

(شاہ ولی اللہؒ نے ابن عبدالسلام کی مذکورہ عبارت کا حوالہ نہیں دیا مگر یہ ان کی کتاب ''قواعد الاحکام فی مصالح الانام'' جلد دوم ص ۱۳۵ طبع قاہرہ پر موجود ہے)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''انتہائی تعجب کی بات ہے کہ بعض مقلدین فقہاء پر اپنے امام کی دلیل کا ضعف واضح ہو جاتا ہے اور اس کمزوری کا کوئی جواب ان کے پاس نہیں ہوتا لیکن اس کے باوجود وہ اپنے امام کی تقلید کرتے ہیں اور اس شخص کی رائے کو چھوڑ دیتے ہیں جس کی صحت پر کتاب وسنت اور قیاسات صحیحہ شہادت دیتے ہیں' اور اپنے امام کا دفاع کرنے کے لیے نصوص کی تاویلات بعیدہ و باطلہ شروع کر دیتے ہیں' شیخ عزالدین نے یہ بھی کہا ہے کہ لوگ کسی مخصوص امام کے مذہب کا التزام کیے بغیر علماء دین سے مسئلہ پوچھ لیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ متعصبین مقلدین کا دور آیا تو ہر ایک اپنے امام کا مقلد بن گیا اگرچہ اس کا مذہب دلائل سے بہت دور ہو' گویا کہ وہ اللہ کا بھیجا ہوا نبی ہے۔ یہ طرزِ عمل حق وصواب سے بہت دور ہے جس کی کوئی بھی صاحب عقل آدمی تائید نہیں کر سکتا۔ ابن حزم کا یہ قول اس عامی شخص کے بارے میں بھی صحیح ہے جو کسی کی تقلید اس گمان پر کرتا ہے کہ اس سے غلطی نہیں ہو سکتی اور وہ اپنے دل میں فیصلہ کر لیتا ہے کہ اگر اس کے قول کی خلاف کوئی دلیل مجھ پر واضح ہو بھی جائے پھر بھی میں اس کی تقلید کرتا رہوں گا۔ یہ صورت تو احبار و رھبان کو رب بنانے کی ہے جو کیسے جائز ہو سکتی ہے؟ تقلید کی حرمت کا یہ قول اس شخص کے بارے میں بھی صحیح ہے جو حنفی کے لیے شافعی فقیہہ سے مسئلہ پوچھنا اور شافعی کیلیے حنفی فقیہہ سے مسئلہ پوچھنا ناجائز سمجھتا ہو یہ طرزِ عمل قرون اولی کے اجماع کے خلاف ہے' اور صحابہ وتابعین کے طرزِ عمل کی ضد ہے۔

مگر ابن حزم کا یہ قول کہ تقلید حرام ہے' اس شخص کے بارے میں ہرگز صحیح نہیں ہے جو نبی کریم ﷺ کے قول ہی کو دین سمجھتا ہو' اللہ ورسول کی حلال کردہ چیزوں کو حلال مانتا ہے اور ان کی حرام کردہ اشیاء کو حرام قرار دیتا ہے' لیکن چونکہ وہ احادیث رسول کا صحیح فہم نہیں رکھتا اور مختلف احادیث کے درمیان جمع وتطبیق اور ان سے شرعی احکام مستنبط کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس لیے وہ کسی حق پرست اور متبع سنت عالم کا اتباع کرتا ہے' مگر جب اس کی غلطی اس پر واضح ہو جائے تو پھر بغیر کسی جدال واصرار کے اس کی پیروی سے رک جاتا ہے' اس نوع کی تقلید سے کوئی کیسے انکار کر سکتا ہے؟ جب کہ مسلمانوں کے درمیان استفتاء وافتاء کا سلسلہ دورِ نبوی ﷺ سے لے کر آج تک چلا آرہا ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کوئی شخص ہمیشہ ایک ہی عالم سے فتوی لیتا ہے یا کبھی ایک سے اور کبھی دوسرے سے پوچھتا ہے۔ یہ تقلید آخر کیوں جائز نہ ہوگی؟ جب ہم یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ فقیہہ پر وحی آتی ہے اور وہ غلطی سے معصوم ہے۔ ہم تو کسی فقیہہ کا اتباع اس بنا پر کرتے ہیں کہ یہ قرآن وسنت کا عالم ہے اور اس کا فتوی نصوص کی صراحت پر مبنی ہوتا ہے یا ان سے مستنبط ہوتا ہے۔ اگر ہمیں اس عالم کی رائے کے خلاف صحیح سند کے ساتھ حدیث رسول معلوم ہو جائے اور پھر بھی ہم اس کے قیاسی اور اجتہادی فتوے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پرعمل کریں اور حدیث رسول کو چھوڑ دیں تو ہم سے بڑا ظالم کون ہوگا؟ اور قیامت کے روز ہم اللہ کے سامنے کوئی عذر پیش نہیں کر سکیں گے"(۲۵)

شاہ صاحب نے جن چار صورتوں میں تقلید کے حرام ہونے میں ابن حزم کی تائید کی ہے ان چار صورتوں میں عملاً غیر نبی کو نبی کا درجہ دینا ہے جو ختم نبوت کے عقیدے کے خلاف ہے یا عملاً غیر اللہ کو رب بنانا ہے جو عقیدہ توحید کے منافی ہے۔ لیکن پانچویں صورت فقیہہ ومجتہد اور مفتی کو صرف معلم دین کا مقام دینا ہے اور فہم دین میں اس سے استفادہ کرنا ہے جو نہ صرف یہ کہ حرام نہیں ہے بلکہ ضروری ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (م ۱۲۳۹ھ)

شاہ ولی اللہؒ کے ابناء واحفاد اور اصحاب وتلامذہ کا پورا گھرانہ قرآن وسنت اور توحید وسنت کا پابند تھا اور سب کے سب شاہ صاحب کے بالواسطہ یا بلاواسطہ تربیت یافتہ تھے ان کے ایک صاحبزادے شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنے والد اور شیخ کی فکر کی ترجمانی فارسی زبان میں اس طرح کی ہے کہ:

"چنانچہ عبادت غیر خدا مطلقاً شرک وکفر است اطاعت غیر او تعالیٰ بالاستقلال نیز کفر است ومعنی اطاعت غیر بالاستقلال آنست کہ اور امبلغ احکام ندانستہ ربقہ تقلید او در گردن انداز دو تقلید او را لازم شمارد وباوجود مخالفت او تعالیٰ دست از اتباع برندارد واین ہم نوع است از اتخاذ انداد کہ در آیت "اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ" الآیۃ نکوہش فرمودہ اند۔ (تفسیر عزیزی سورہ بقرہ آیت: ۲۲)

"جس طرح اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت کرنا مطلقاً شرک اور کفر ہے اسی طرح غیر اللہ کی مستقل اطاعت کرنا بھی کفر ہے مستقل اطاعت سے مراد یہ ہے کہ مبلغ احکام سمجھے بغیر کسی کی تقلید کا طوق گلے میں ڈال لیا جائے اس کی تقلید کو اپنے اوپر لازم کر لیا جائے اور اس کے حکم کی اللہ کے حکم سے مخالفت ظاہر ہو جانے کے باوجود اس کے اتباع سے ہاتھ نہ کھینچا جائے تو یہ بھی اتخاذ الانداد کی ایک قسم ہے جیسا کہ "اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ" والی آیت میں وضاحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے"

شاہ عبدالعزیزؒ سے کسی نے سوال کیا تھا کہ ایک مقلد شخص کسی مجتہد سے حسن ظن کی بنا پر اس کی اقتداء وتقلید کرتا ہے لیکن شریعت کے بعض احکام میں اس کا قول کتاب وسنت سے مخالف ہے اور اکثر علماء دین کا قول بھی اس کے قول کے خلاف ہے تو اس کا یہ مقلد اس صورت میں اس کے قول پر کس طرح عمل کر سکتا ہے اور قیامت کے روز کیا جواب دے سکتا ہے؟

اس کے جواب میں شاہ صاحبؒ نے اجتہاد کے بارے میں بڑی اہم اور قیمتی بحث کی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور متاخرین مجتہدین کی قسمیں بیان کی ہیں اور فرمایا ہے کہ:

''قائل شدن بتحریم اجتہاد مذہب کسے نیست''

''اجتہاد کی بندش اور حرمت کسی کا بھی مذہب نہیں ہے، جس شخص کے اندر اجتہاد کی اہلیت ہو اور وہ اہلیت کی شرائط رکھتا ہو' ھنیئاله الاجتہاد و مریئا'' بڑے شوق سے اور بڑے مزے سے اجتہاد کرے، مگر جس شخص کے اندر اجتہاد کی شرائط اہلیت موجود نہ ہوں تو وہ کسی مجتہد وفقیہہ کی تقلید کرسکتا ہے البتہ اگر اس کے مجتہد کا قول حدیث کے خلاف نظر آئے تو اس صورت میں حدیث پر عمل کرنا لازم ہے۔ اس لیے کہ چاروں ائمہ نے کہا ہے کہ صحیح حدیث جب مل جائے تو اسی پر عمل کرو، یہی ہمارا مذہب ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:

''وفی الحقیقت اگر مقلدان مذہب تفحص کنند می یابند کہ ایں بلاء تقلید ایشانرا بحدے کشیدہ کہ قول ہر یکے راز آحاد فقہاء درمقابل حدیث می آرند و ترجیح مید ہند و ایں از اں قبیل است کہ علماء بہ پیغمبری رسانیدہ شود بلکہ بخدائے''

''حقیقت یہ ہے کہ اگر مذہب کے یہ مقلدین تحقیق و جستجو کرتے تو اس حقیقت کو پالیتے کہ تقلید کی اس مصیبت نے ان کو یہاں تک پہنچا دیا ہے کہ فقہاء میں سے ہر ایک کے قول کو حدیث کے مقابلے میں پیش کرتے ہیں اور اسے ترجیح دیتے ہیں، حالانکہ یہ تو علماء کو پیغمبری تک بلکہ خدا تک پہنچانا ہے''۔

اس کے بعد ثبوت میں عدی بن حاتم کی حدیث پیش کی ہے جس کا حوالہ پہلے دیا جاچکا ہے، اور آخر میں فرماتے ہیں کہ:

''وظاہر است کہ ضرب تکلیف نصب شریعت مخصوص بخداست و بے نص قاطع او کسے راایں منصب دادن شرک محض است نعوذ باللہ منھا و نص قاطع: ''اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ'' ''مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ'' ''فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ'' درشان دیگرے وارد نیست واطاعت اولی الامر محصور است در مباحات چنانچہ فرمودہ اند:

''فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْئٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ''

''ظاہر ہے کہ مکلّف بنانے اور شریعت دینے کا مقام اللہ کے ساتھ مخصوص اور نص قطعی کے بغیر یہ مقام کسی اور کو دینا شرک محض ہے۔ ہم شرک سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ اور قطعی نص مثلاً یہ کہ ''اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو'، یا یہ نص کہ ''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی' یا یہ کہ ''تم میری پیروی کرو تو اللہ تم سے محبت کرے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گا'' یہ سب رسول کے علاوہ کسی اور کے بارے میں وارد نہیں ہوئیں اور اولوالامر کی اطاعت (جن میں فقہاء بھی شامل ہیں) مباحات کے دائرے میں محصور ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا کہ ''اگر تمہارا کسی چیز میں نزاع ہو جائے تو فیصلے کے لیے اسے اللہ اور اس کے رسول کی جانب لوٹا دو''(۲۶)

شاہ صاحبؒ کا مقصد یہ ہے کہ قرآن وسنت کو سمجھنے کے لیے اور غیر منصوص مسائل کا شرعی حکم معلوم کرنے کے لیے علماء دین' فقہاء اسلام اور مجتہدین کے اقوال کی طرف رجوع کرنا تو مذموم نہیں ہے بلکہ ممدوح ہے لیکن قرآن وسنت کے صریح احکام کے مقابلے میں کسی فقہی مسلک کے امام کے قول کو ترجیح دینا دراصل اسے شارع کا مقام دینا ہے اور نصوص قطعیہ کی رو سے یہ مقام اللہ کے بعد صرف اس کے رسول کا ہے اور کسی کا یہ مقام نہیں ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (م ۱۲۲۵ھ)

شاہ ولی اللہؒ کے شاگردِ خاص قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ لکھتے ہیں:

''اذاصح عنداحدحديث صحيح مرفوع من النبیﷺسالماعن المعارضة ولم يظهرله ناسخ وكان فتوى ابی حنيفة مثلاًخلافه وقد ذهب علی وفق الحديث احدمن الاربعةيجب عليه اتباع الحديث الثابت ولايمنعه الجمود علی مذهبه من ذلك كيلايلزم اتخاذ بعضنابعضاارباباًمن دون اللہ'روی البيهقی فی المدخل باسناد صحيح الی عبداللہ بن المبارك قال سمعت اباحنيفةيقول:اذاجاء عن النبیﷺفعلی الرأس والعين واذاجاء عن اصحاب النبیﷺ فاختارمن قولهم واذاجاء من التابعين زاحمناهم وذكرعن روضة العلماء قال :اتركواقولی بخبررسول اللہﷺوقول الصحابةونقل انه قال اذاصح الحديث فهومذهبی''(۲۷)

''جب کسی شخص کو نبی کریمﷺ کی صحیح الاسناد حدیث مل جائے جس کا کسی دوسری حدیث سے تعارض نہ ہو اور اس کا ناسخ بھی ظاہر نہ ہوا ہو اور مثلاً امام ابوحنیفہؒ کا فتوی اس کے خلاف ہو مگر ائمہ اربعہ میں سے کسی دوسرے امام کا فتوی اس حدیث کے مطابق ہو تو ایسی صورت میں اس حدیث کا اتباع واجب ہے اور اپنے فقہی مسلک کو اتباع حدیث کے لیے رکاوٹ بنانا جائز نہیں ہے تا کہ ایک دوسرے کو رب بنانا لازم نہ آ جائے۔ بیہقی نے مدخل میں صحیح سند کے ساتھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عبداللہ بن مبارک سے نقل کیا ہے کہ: میں نے ابوحنیفہؒ سے خود سنا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث مجھے مل جائے تو میں اسے سر آنکھوں پر قبول کروں گا‘ جب صحابہ کے اقوال میرے سامنے آ جائیں تو میں انہی میں سے کسی قول کو پسند کروں گا‘ مگر جب تابعین کے اقوال میرے سامنے آ جائیں تو میں ان کی مزاحمت بھی کر سکتا ہوں۔ روضۃ العلماء میں نقل ہوا ہے کہ: ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ: رسول اللہ ﷺ کی حدیث اور صحابہؓ کے قول کے مقابلے میں میرے قول کو چھوڑ دیا کرو‘ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ جب صحیح حدیث مل جائے تو یہی میرا مذہب ہے‘‘

قاضی ثناء اللہ پانی پتی‘ حنفی المسلک تھے لیکن انہوں نے وہی بات کی ہے جو ابن عبدالبرؒ امام رازیؒ ابن قیمؒ امام قرطبیؒ شاہ ولی اللہؒ شاہ عبدالعزیزؒ اور دیگر علماء نے لکھی ہے‘ جن کے حوالے پہلے دیے جا چکے ہیں۔ قاضی صاحب نے یہ جو قید لگائی ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی دوسرے امام کا فتوی حدیث کے مطابق ہو‘ اس کی وجہ انہوں نے خود اسی صفحہ پر یہ بتائی ہے کہ چونکہ امت مجموعی طور پر ائمہ اربعہ کے فقہی مذاہب پر عملاً متفق ہو چکی ہے‘ اس لیے ان چاروں کے مسلک سے نکلنا امت کے اجماع سے نکلنا ہے جو مناسب نہیں ہے۔ اس کے علاوہ وہ جب اس حدیث پر امت کے چاروں مسلمہ ائمہ اور ان کے متبعین میں سے کسی نے بھی فتوی نہیں دیا تو یہ اس بات کا واضح قرینہ ہے کہ یہ حدیث یا تو منسوخ ہوگی یا اس کی ان ائمہ نے کوئی تاویل کی ہوگی‘ لیکن حقیقت یہ ہے کہ پوری امت نے ائمہ اربعہ کے مسلک پر نہ ان کے دور میں اجماع کیا تھا اور نہ بعد کے ادوار میں ساری امت ان پر متفق رہی ہے۔ بلکہ ہر دور میں بعض فقہاء کی رائے بعض مسائل میں چاروں ائمہ سے الگ بھی رہی ہے‘ اور صرف ان چاروں کے اتفاق کو شرعی طور پر اجماع کا نام بھی نہیں دیا جا سکتا۔ اس لیے اگر ائمہ اربعہ میں سے کسی کا فتوی حدیث کے مطابق نہ بھی ہو پھر بھی حدیث پر ہی عمل ہونا چاہیے۔

اجتہادی مسائل میں مجتہدین کا اتباع جائز ہے:

گزشتہ بحث میں ہم نے ثابت کیا ہے کہ غیر متعارض اور غیر منسوخ آیات واحادیث کو نظر انداز کر کے کسی بھی امام وفقیہہ یا کسی بھی رئیس وامیر کی تقلید کرنا حرام ہے اور اس کی حرمت پر ’’اتخاذ الارباب من دون اللہ‘‘ اور ’’اتخاذ الانداد من دون اللہ‘‘ کے بارے میں نازل شدہ آیات کو اور عدی بن حاتم کی مرفوع حدیث کو بطور دلیل پیش کیا ہے اور اس کے علاوہ سلف وخلف کے متعدد محدثین ومفسرین اور فقہاء کے اقوال‘ بھی مستند کتابوں سے حوالوں کے ساتھ نقل کیے ہیں تا کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ اس قسم کی تقلید کی حرمت پر ان آیات کو دلیل قرار دینا میرا تفرد ہے‘ اس لیے کہ مجھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جیسے پندرھویں صدی کے ایک طالب علم کے تفرد کو اسلاف کی تحقیق کے مقابلہ میں کون تسلیم کرے گا؟ لیکن سوال یہ ہے کہ قیاسی واجتہادی مسائل میں یا نصوص متعارضہ کی تطبیق وتوجیہ میں مجتہدین اور محدثین کا اتباع کرنا اور ان کی تحقیقات پر اعتماد کرنا بھی جائز نہیں ہے؟ اس سوال کا ہر ذی عقل اور قرآن وسنت کا ہر طالب علم یہی جواب دے گا کہ یہ تو جائز ہے۔ اس لیے کہ بے علم یا کم علم لوگوں کے لیے فقہاء متخصصین یعنی خصوصی مہارت رکھنے والے ماہرینِ شریعت کا اتباع کرنا قرآن کریم سے ثابت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

''وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ '' (التوبہ: ۱۲۲)

'اور یہ کچھ ضروری نہ تھا کہ اہل ایمان سارے کے سارے ہی نکل کھڑے ہوتے' مگر ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کی آبادی کے ہر حصہ میں سے کچھ لوگ نکل کر آتے اور دین کی سمجھ پیدا کرتے اور واپس جا کر اپنے علاقے کے باشندوں کو خبردار کرتے تاکہ وہ (غیر مسلمانہ روش سے) پرہیز کرتے''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تقسیم کار کا اصول بیان کیا ہے کہ کچھ لوگ دین میں فقاہت اور مہارت حاصل کریں اور کچھ لوگ جہاد اور دوسرے ضروری کاموں میں مصروف رہیں اور دینی احکام علماء دین سے معلوم کریں۔ اگر اسلام میں علماء دین اور فقہاء اسلام کا اتباع جائز نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو حکم دیتا کہ تم سب کے سب تفقہ فی الدین حاصل کرو اور تم میں سے ہر شخص اپنی تحقیق پر عمل کرے' دوسروں کا اتباع نہ کرے۔ لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تو ایسا حکم نہیں دیا' اس لیے کہ اس میں حرج ہے اور یہ عملاً ممکن بھی نہیں ہے۔ مجتہدین اور تحقیقی علم رکھنے والوں کی جانب رجوع کرنے کا حکم سورہ نساء میں بھی موجود ہے:

''وَاِذَا جَاءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ اِلَّا قَلِيْلًا '' (النساء: ۸۳)

''اور جب آجاتی ہے ان کے پاس کوئی خبر امن کی یا خوف کی تو یہ لوگ اسے پھیلا دیتے ہیں اور اگر یہ لوگ اسے لوٹا دیتے رسول کیطرف یا اپنے اولوالامر (ذمہ داروں) کی طرف تو ان میں سے جو تحقیق کرنے والے ہوتے ہیں وہ اس خبر کی حقیقت کو جان لیتے' اور اگر تم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم سب شیطان کے پیچھے چل پڑتے سوائے تھوڑے سے لوگوں کے"

سیاق کلام سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت جنگ کی حالت میں سنی سنائی افواہیں پھیلانے کے بارے میں نازل ہوئی تھی لیکن قرآن کے الفاظ جس معاملے اور مسئلے پر بھی صادق آتے ہوں وہ ان کے عموم میں شامل ہوتا ہے۔ صحیح مسلم کی ایک روایت ہے کہ یہ خبر پھیل گئی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر جب پوچھا کہ کیا آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ تو اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی کہ: "وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ۔ الآیۃ" (۲۸)

ظاہر ہے کہ طلاق کا تعلق جنگ سے نہیں ہے بلکہ یہ عائلی اور خانگی زندگی کا ایک مسئلہ ہے لیکن حضرت عمرؓ نے اس کو بھی آیت کا شان نزول قرار دیا ہے اس لیے کہ الفاظ کے عموم میں یہ بھی شامل ہے۔ اسی طرح تمام حل طلب اور تحقیق طلب مسائل میں ان کے ماہرین کی طرف رجوع کرنا اور ان کی تحقیق پر اعتماد کرنا اس آیت کا مصداق بن سکتا ہے' خواہ وہ مسائل انتظامی امور سے متعلق ہوں یا دینی ہدایات و تعلیمات سے متعلق ہوں۔ مشہور حنفی فقیہ امام جصاص (م ۳۷۰ھ) اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فقد حوت هذه الآية معانی منها ان علی العلماء استنباطه والتوصل اليه برده الی نظائره من المنصوص ومنها ان العاسی عليه تقليد العلماء فی احکام الحوادث" (۲۹)

"یہ آیت متعدد معانی پر مشتمل ہے۔ ایک یہ کہ بعض واقعات کے احکام منصوص تو نہیں ہوتے لیکن نصوص ان پر دلالت کرتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ علماء ایسے واقعات کے احکام معلوم کرنے کے لیے اجتہاد کریں' اور ان کے منصوص نظائر پر قیاس کر کے ان کے احکام تک پہنچنے کی کوشش کریں۔ اور تیسرے یہ کہ مسائل و نوازل کے احکام معلوم کرنے کے لیے عام آدمی پر علماء کی تقلید واجب ہے"

انہی تین باتوں کو امام رازیؒ (م ۶۰۶ھ) نے بھی اس آیت سے مستنبط کیا ہے (۳۰)

شرعی احکام کو سمجھنے کے لیے علماء کی جانب رجوع کرنا فطرت اور شریعت دونوں کا تقاضا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حکم دیا ہے:

"وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ'' (النحل:۴۳'الانبیاء:۷)

''اور اے محمد ﷺ! تم سے پہلے بھی ہم نے انسانوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا تھا جن پر ہم وحی کیا کرتے تھے۔ تم لوگ اگر علم نہیں رکھتے تو اہل کتاب سے پوچھ لو''

شان نزول اور سیاق کلام سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت منکرین نبوت کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو کہتے تھے کہ بشر کیسے رسول ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ پہلے بھی ہم نے انسانوں کی ہدایت کے لیے انسانوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا تھا' اگر تم خود کتابوں کا علم نہیں رکھتے تو آسمانی کتابوں کا علم رکھنے والوں سے پوچھ لو وہ تم کو بتا دیں گے کہ نبوت کی ذمہ داری اللہ نے پہلے بھی مردوں ہی کے سپرد کی تھی۔ لیکن الفاظ کے عموم میں ہر قسم کے دینی مسئلے کے لیے علماء دین کے اتباع اور تقلید کے جواز پر اسی عموم کی وجہ سے امام رازیؒ علامہ آمدی' علامہ آلوسی اور دیگر علماء نے اس آیت کو دلیل قرار دیا ہے۔ (۳۱)

لاعلمی کا علاج اہل علم سے پوچھنا ہے۔ جو شخص خود علم نہ رکھتا ہو اور اہل علم سے پوچھے بغیر فتویٰ دیتا ہو' رسول اللہ ﷺ نے اس کی مذمت کی ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ ہم ایک سفر پر نکلے تھے۔ دوران سفر ہم میں سے ایک شخص کو پتھر کی چوٹ لگ گئی اور سر میں زخم پڑ گیا۔ اتفاقاً اسے احتلام ہو گیا اور اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ کیا میرے لیے تیمّم کرنے کی رخصت ہے؟ انہوں نے کہا نہیں' ہم کو تیرے لیے رخصت معلوم نہیں ہے اس لیے کہ تو پانی کے استعمال پر قدرت رکھتا ہے۔ چنانچہ اس نے غسل کیا جس کی وجہ سے اس کی موت واقع ہو گئی۔ جب ہم نبی کریم ﷺ کے پاس واپس آئے اور یہ خبر آپ ﷺ کو پہنچی تو فرمایا:

''قتلوه قتلهم الله الا سألوا اذلم يعلموا فانما شفاء العى السؤال وفى روية ابن عباسؓ الم يكن شفاء العى السوال؟'' (۳۲)

''اللہ انہیں تباہ کریں انہوں نے اسے قتل کر دیا ہے' انہوں نے اہل علم سے پوچھا کیوں نہیں تھا جب کہ انہیں علم نہیں تھا' بے شک علم کی کمزوری کا علاج علماء سے پوچھنا ہے۔ ابن عباسؓ کی روایت میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: علم کی کمزوری کا علاج سوال نہیں ہے؟

ان صحابہ کو یہ مسئلہ معلوم تھا کہ جب پانی موجود نہ ہو یا انسان اس کے استعمال پر قادر نہ ہو تو تیمّم جائز ہے لیکن اگر انسان زخمی ہو جائے اور غسل کرنے کی وجہ سے زخم کے بگڑنے یا انسان کے مرنے کا خطرہ ہو تو کیا اس صورت میں بھی تیمّم جائز ہے؟ یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے جس کا تعلق ''فَلَمْ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تَجِدُوْ امَاءً'' کی تاویل سے ہے کہ کیا مجروح ومعذور کے لیے پانی موجود ہونا' نہ ہونے کا حکم رکھتا ہے یا نہیں؟ اس کا جواب تو رسول اللہ ﷺ نے بعد میں دے دیا تھا کہ مجروح کے لیے تیمّم جائز ہے۔ اس لیے کہ اس کے لیے پانی کا وجود عدم وجود کا حکم رکھتا ہے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ حادثے کے وقت تو ان کے پاس موجود نہ تھے' اس لیے ان کو چاہیے تھا کہ اس صورت حال کے بارے میں کسی صاحب علم سے پوچھ کر فتوی دیتے اور اس پر عمل کرتے۔ چونکہ انہوں نے فتوی دینے میں غلطی کی تھی اس لیے مرنے والے کی دیت تو ان پر عائد نہیں کی لیکن ان کے بارے میں زجر وتوبیخ کے الفاظ استعمال کیے تا کہ لوگ علم کے بغیر فتوی دینے سے باز آجائیں۔ امام خطابی نے معالم السنن میں لکھا ہے کہ:

''فی ھذاالحدیث من العلم انه عابھم بالفتوی بغیرعلم والحق بھم الوعیدبان دعاعلیھم وجعلھم فی الاثم قتلة له''(۳۳)

''اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغیر علم کے فتوی دینا جائز نہیں ہے۔ ان کو وعید سنائی۔ ان کے لیے بدعا کی اور گناہ گار ہونے میں ان کو اس کا قاتل قرار دیا ہے''

اس حدیث میں ایک شرعی ضابطہ بیان ہوا ہے کہ لاعلم یا کم علم لوگوں کو اہل علم سے پوچھنا چاہیے اور ان کے جواب پر عمل کرنا چاہیے۔ جس طرح کہ آیت کا نزول ایک خاص مسئلے کے بارے میں ہوا تھا لیکن اس کے عموم میں دوسرے مسائل ونوازل بھی شامل ہیں۔ اسی طرح حدیث کے یہ الفاظ کہ ''انماشفاء العی السوال'' اگرچہ ایک خاص مسئلے کے بارے میں نازل ہوئے ہیں لیکن ان کے عموم میں دوسرے مسائل بھی شامل ہیں۔ اس آیت اور حدیث پر عمل کرتے ہوئے صحابہ کرامؓ ایک دوسرے سے مسائل پوچھا کرتے تھے۔ اہل علم صحابہؓ فتوی دیا کرتے تھے اور عام صحابہ ان کے فتوے پر عمل کرتے تھے۔ صحابہ کا یہ تعامل بھی اس بات کی دلیل ہے کہ لاعلم یا کم علم' احکام شرعیہ معلوم کرنے کے لیے اہل علم کی طرف رجوع کیا کریں گے اور ان کا اتباع کریں گے۔ صحابہ کرامؓ کے اس تعامل کا ذکر ابن قیم نے اس طرح کیا ہے:

''رسول اللہ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے اصحاب فتوی دیا کرتے تھے جوامت میں سب سے زیادہ نرم دل تھے' ان کا علم سب سے زیادہ گہرا تھا' ان کی زندگی میں تکلف اور بناوٹ نہیں تھی' ان کا بیان سب سے اچھا اور ان کا ایمان سب سے زیادہ سچا تھا' یہ سب کے خیر خواہ تھے اور یہ سب اللہ کے بہت زیادہ قریب تھے۔ ان میں سے بعض بہت زیادہ فتوے دیا کرتے تھے (مکثرین)' بعض درمیانی درجے کے تھے (متوسطین) اور بعض سے بہت ہی کم فتوے نقل ہوئے ہیں (مقلین) جن صحابہ کے فتوے محفوظ ہیں' ان کی تعداد ۱۳۰ سے کچھ زیادہ ہے' جن میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہیں۔ ان میں سے زیادہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فتوی دینے والے یعنی مکثرین کی تعداد سات ہے، جن کے نام یہ ہیں:

۱۔ عمرؓ بن خطاب ۲۔ علیؓ بن ابی طالب
۳۔ عبداللہؓ بن مسعودؓ ۴۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ
۵۔ زید بن ثابتؓ ۶۔ عبداللہ بن عباسؓ
۷۔ عبداللہ بن عمرؓ

یہ سات صحابہ وہ ہیں جن میں سے ہر ایک کے فتووں سے ایک بڑی کتاب بن سکتی ہے۔ درمیانے درجے کے مفتی صحابہ یعنی متوسطین کی تعداد ۱۳ تھی، جن کے اسماء گرام یہ ہیں:

۱۔ حضرت ابوبکرؓ ۲۔ ام سلمہؓ ۳۔ انس بن مالکؓ
۴۔ ابوسعید خدریؓ ۵۔ ابوہریرہؓ ۶۔ عثمان بن عفانؓ
۷۔ عبداللہ بن عمروؓ ۸۔ عبداللہ بن زبیرؓ ۹۔ ابوموسی اشعریؓ
۱۰۔ سعد بن ابی وقاصؓ ۱۱۔ سلمان فارسیؓ ۱۲۔ جابر بن عبداللہؓ
۱۳۔ معاذ بن جبلؓ

یہ ۱۳ صحابہ وہ ہیں جن میں سے ہر ایک کے فتوں سے ایک چھوٹی سی کتاب بن سکتی ہے ان تیرہ کے ساتھ درج ذیل صحابہؓ کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے:

۱۔ حضرت طلحہؓ ۲۔ حضرت زبیرؓ ۳۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ
۴۔ حضرت ابوبکرہؓ ۵۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ ۶۔ حضرت امیر معاویہؓ

باقی صحابہ سے بہت ہی کم فتوے نقل ہوئے ہیں، یہ مقلین ہیں۔ ان سب کے فتاوی اگر جمع کیے جائیں تو بمشکل ایک چھوٹی سی کتاب بن سکتی ہے۔ (۳۴)

فتوی دینے والے صحابہؓ میں سے مکثرین اور متوسطین کی کل تعداد ۲۷ بنتی ہے حالانکہ صحابہ کرامؓ کی کل تعداد تو ایک لاکھ سے بھی زائد تھی، مگر وہ فتوی دینے والے صحابہؓ کی اتباع کرتے تھے۔ اس لیے کہ ان کو یہ اعتماد تھا کہ ان کا علم ہم سے زیادہ ہے اور یہ ہم کو قرآن وسنت کا حکم بتاتے ہیں۔ حافظ ابن قیمؒ نے اس کے بعد تابعین اور تبع تابعین کے دور میں فتوی دینے والوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ قرون ثلاثہ میں فتوی مانگنے اور فتوی دینے کا تعامل اس بات کی دلیل ہے کہ علماء وفقہاء کا اتباع قرون ثلاثہ میں بھی جاری تھا (۳۵)

فقہاء اسلام کا مقام ابن قیم کی نگاہ میں: حافظ ابن قیمؒ (م ۷۵۱ھ) نے فقہاء اسلام کے بلند مقام کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''القسم الثانی فقهاء الاسلام ومن دارت الفتیاعلی اقوالھم بین الانام الذین خصوا باستنباط الاحکام وعنوابضبط قواعدالحلال والحرام فھم فی الارض بمنزلةالنجوم فی السماء بھم یھتدی الحیران فی الظماء وحاجةالناس الیھم اعظم من حاجتھم الی الطعام والشراب''(۳۷)

''امت کے علماء کی دوسری قسم فقہاء اسلام کی ہے (پہلی قسم حفاظ الحدیث کی بیان کی ہے) جن کے اقوال پر لوگوں کے درمیان فتوے کا دارومدار ہے' احکام کا استنباط اور حلال وحرام کے قواعد کا ضبط جن کی خصوصیت ہے۔ زمین پر ان کا مقام وہی ہے جو آسمان پر ستاروں کا ہے۔ اندھیروں میں بھٹکنے والا انہی سے راستہ معلوم کرتا ہے اور لوگ کھانے پینے سے بھی زیادہ ان کے محتاج ہیں''

مجتہدین کے اتباع کے بارے میں فقہاء اسلام کے اقوال:

آیات قرآن' احادیثِ رسول اور تعامل صحابہؓ سے اگرچہ یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ اجتہادی مسائل میں لاعلم یا کم علم شخص کے لیے علماء دین اور فقہاء مجتہدین کا اتباع جائز ہے لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بارے میں فقہاء اسلام کے چند اقوال بھی نقل کر دیئے جائیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ ہماری انفرادی تحقیق نہیں ہے بلکہ دوسرے محققین اور ماہرین علوم دینیہ کی تحقیق بھی یہی ہے۔

۱۔ امام ابوبکر رازیؒ (م ۳۷۰ھ):

امام بصاص حنفی المسلک ہیں۔ انہوں نے سورہ النساء کی آیت: ۸۳ سے مسائل شرعیہ کا استنباط کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''ان العامی علیه تقلیدالعلماء فی احکام الحوادث''(۳۷)

''حوادث وواقعات (مسائل ونوازل) کے احکام معلوم کرنے کے لیے عام آدمی کے لیے علماء کی تقلید واجب ہے''

۲۔ حافظ ابوالولید باجی مالکیؒ (م ۴۷۴ھ یا ۴۹۴ھ)

علامہ باجی نے تقلید کے بارے میں امام مالکؒ کا مذہب اس طرح نقل کیا ہے:

''مذھب مالك ابطال التقليدمن العالم وھوقول جماعةمن الفقھاء''

''امام مالکؒ کا مذہب یہ ہے کہ ایک عالم کے لیے دوسرے عالم کی تقلید کرنا باطل ہے' اور فقہاء کی ایک جماعت کا قول بھی یہی ہے''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس مذہب کے لیے باجی نے سورۃ البقرہ کی آیت:۱۷۰ النساء کی آیت:۵۹ اور زخرف کی آیت:۲۳ کو بطور دلیل پیش کیا ہے۔(۳۸)

''فاما تقلید العامی للعالم فجائز عند مالک''

''عام آدمی کے لیے عالم کی تقلید امام مالکؒ کے نزدیک جائز ہے''

اس کے ثبوت میں سورۃ النساء کی آیت ۸۳ اور سورۃ النحل کی آیت ۴۳ کو پیش کیا ہے اور فرمایا ہے کہ:

''وھذا ما لا خلاف فیہ نعلمہ''

''ہمارے علم کی حد تک اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے''(۳۹)

۳۔امام ابو عمر یوسف بن عبدالبرؒ (م ۴۶۳ھ)

ابن عبدالبر تقلید کے شدید مخالف تھے۔جامع بیان العلم میں انہوں نے ایک باب قائم کیا ہے جس کا عنوان ہے''باب فساد التقلید والفرق بین التقلید والاتباع''اس باب کے پورے چھ صفحات پر تقلید کے خلاف دلائل دینے کے بعد فرمایا ہے کہ:

''وھذا کلہ لغیر العامۃ فان العامۃ لابدلھا من تقلید علماء ھا عند النازلۃ تنزل بھا لانھا لا تتبین موقع الحجۃ ولا تصل بعدم الفھم الی علم ذلک لان العلم درجات لا سبیل منھا الی اعلاھا الا بنیل اسفلھا وھذا ھو الحائل بن العامۃ وبین طلب الحجۃ واللہ اعلم ولم تختلف العلماء ان العامۃ علیھا تقلید علماء ھا وانھم المرادون لقول اللہ عزوجل ''فَاسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ''(۴۰)

''یہ سارے دلائل علماء دین کے بارے میں ہیں نہ کہ عوام کے بارے میں۔اس لیے کہ عام لوگوں کے لیے تو علماء کی تقلید ضروری ہے جب کہ ان کے سامنے کوئی مسئلہ پیش آ جائے'اس لیے کہ عام لوگ دلیل اور اس کے مصداق کو معلوم نہیں کر سکتے اور فہم کے فقدان کی وجہ سے اس مسئلہ کے علم تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔کیونکہ علم کے درجات ہیں۔جس کے اعلیٰ درجے کا حصول نچلے اور ابتدائی درجے کے حصول کے بغیر ممکن نہیں ہے۔یہی لاعلمی اور کم فہمی عام لوگوں کے لیے دلیل معلوم کرنے کے راستے میں رکاوٹ ہے۔واللہ اعلم۔علماء کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ عام لوگوں پر اپنے علماء کی تقلید واجب ہے اور یہی لوگ اللہ کے اس قول کا مصداق ہیں کہ کتاب کا علم رکھنے والوں سے پوچھ لو اگر تم علم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ رکھتے ہو''

ابن عبدالبر کی کتاب کے اس پورے باب کا مفہوم یہ ہے کہ علم کے درجات ہیں اور سارے علماء علم میں برابر نہیں ہوتے۔ظاہر ہے کہ عام آدمی کے پاس اتنا علم نہیں ہوتا کہ جس سے وہ شرعی دلائل سے مسائل ونوازل کے شرعی احکام خود معلوم کر سکے'اس لیے اس کے لیے اپنے علماء کی تقلید کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں ہے۔لیکن جو علماء مجتہدین کے بیان کردہ دلائل کو سمجھ سکتے ہیں اور راجح ومرجوح' قوی وضعیف اور صحیح وخطا کے درمیان تمیز کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں ان کے لیے صرف مجتہد کے قول پر فتوی دینا اور دلیل معلوم کیے بغیر اس کی تقلید کرنا جائز نہیں ہے۔

۴۔امام ابوالمظفر منصور بن محمد السمعانیؒ (م ۴۸۹ھ)

یہ ''سمعانی'' ''الانساب'' والا سمعانی نہیں ہے بلکہ اس سے ۸۳ سال پہلے گزرا ہے۔انہوں نے اپنی کتاب ''قواطع الادلۃ فی اصول الفقہ'' میں تقلید کی دو تعریفیں کی ہیں:

ایک یہ کہ تقلید سے مراد ہے''قبول قول امرء فی الدین بغیر دلیل''یعنی دین میں کسی کی بات بغیر دلیل کے ماننا۔

اور دوسری یہ کہ تقلید کے معنی ہیں''العمل علی قول من غیر علم بصحتہ ونظر فی الطریق الی معرفتہ''کسی کی بات پر عمل کرنا بغیر اس کے کہ اس کا صحیح ہونا معلوم کیا جائے اور بغیر اس کے کہ اس کی معرفت کے راستے یعنی دلیل پر غور کیا جائے۔اس کے بعد فرماتے ہیں کہ تقلید کی دو قسمیں ہیں:ایک جائز ہے اور دوسری جائز نہیں ہے۔عوام کے لیے تقلید جائز ہے مگر ''لا یجوز للعالم ان یقلد العالم''عالم کے لیے جائز نہیں ہے کہ دوسرے عالم کی تقلید کرے'' جو لوگ عالم کے لیے اپنے سے زیادہ علم رکھنے والے کی تقلید کو جائز کہتے ہیں ان کے دلائل کا جواب دینے کے بعد فرماتے ہیں:

''واما تقلید العوام العلماء فانما جاز لانا لو اوجبنا علیھم معرفۃ الاحکام بالحجج والدلائل لاستندت المحنۃ علیھم عظمت البلوی فیھم فانا اذا الزمنا الکافۃ تعارف الدلیل ادی الی مفسدۃ راجعۃ الی کافۃ الناس لانہ لا یکون فیھم من یقوم بامر مصالح دنیاھم وما یقوم بہ معایشھم ونفسد نظام الاحوال فی الافعال والاعمال''(۴۱)

''عوام کے لیے علماء کی تقلید اس لیے جائز ہے کہ اگر ہم ان پر احکام کو ان کے حجج اور دلائل سے معلوم کرنا واجب کر دیں تو ان پر محنت اور مشقت کا بڑا بوجھ پڑ جائے گا' کیونکہ جب ہم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سب پر دلیل کی معرفت لازم کردیں تو سب لوگوں کی زندگی میں خرابی اور پریشانی آ جائے گی۔اس لیے کہ ان میں ایسے لوگ باقی نہیں رہیں گے جوان کی دنیوی اور معاشی ضروریات ومصالح کا انتظام کرتے ہوں اور لوگوں کے اعمال وافعال اور زندگی کے حالات میں خرابی آ جائے گی''۔

۵۔امام غزالیؒ (م ۵۰۵ھ)

''العامی یجب علیه الاستفتاء واتباع العلماء''

''عام آدمی پر فتوی پوچھنا اور علماء کا اتباع کرنا واجب ہے''

اس کے لیے امام غزالیؒ نے دو دلیلیں بیان کی ہیں: ایک یہ کہ اہل علم صحابہؓ اپنے دور کے عوام کو فتوی دیتے تھے'ان کو اجتہادی علم حاصل کرنے کا حکم نہیں دیتے تھے اور عوام ان کے فتوے پر عمل کرتے تھے۔تو دورِ صحابہ کے علماء اور عوام کا یہ طرز عمل قطعی اور متواتر طریقے کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے۔اور دوسری دلیل وہی بیان کی ہے جو علامہ سمعانیؒ نے بیان کی ہے کہ ہر ایک کو اجتہادی درجے کے علم کا مکلف بنانے سے زراعت'تجارت'صنعت وحرفت اور دوسرے ضروری کام معطل ہو جائیں گے''(۴۲)

۶۔امام فخر الدین رازیؒ (م ۶۰۶ھ)

امام رازیؒ نے اپنی کتاب تفسیر کبیر میں تقلید اور مقلدین پر جگہ جگہ تنقید کی ہے لیکن اس کے باوجود لاعلم شخص پر تقلید کو واجب قرار دیتے ہیں۔سورہ النساء کی آیت ۸۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

''ان العامی یجب علیه تقلیدالعلماء فی احکام الحوادث''(۴۳)

''حوادث ومسائل کا حکم معلوم کرنے کے لیے عام آدمی پر علماء کی تقلید واجب ہے''

سورہ النحل کی آیت ۴۳ کی تفسیر کرتے ہوئے امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ:

''اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ کیا ایک مجتہد کے لیے دوسرے مجتہد کی تقلید جائز ہے؟ بعض نے اس کے جواز کا حکم دیا ہے اور دلیل میں سورہ النحل کی اسی آیت کو پیش کیا ہے کہ جب ایک مجتہد کو علم حاصل نہ ہو سکا ہو تو اس پر واجب ہے کہ دوسرے مجتہد کی طرف رجوع کرے جسے علم حاصل ہو گیا ہو۔ اس لیے کہ اللہ نے حکم دیا ہے کہ اہل علم سے پوچھ لو اگر تم کو علم نہ ہو۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر واجب نہیں تو کم از کم جائز تو ہے''۔(۴۴)

۷۔امام موفق الدین ابن قدامہؒ (م ۶۲۰ھ)

''واما التقلید فی الفروع فهو جائز اجماعا فکانت الحجة فیه

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الاجماع''(۴۵)

''فروعی مسائل میں تقلید بالا جماع جائز ہے اور اس کے جواز کی دلیل اجماع ہے''

اس کے بعد وہی دلائل پیش کیے ہیں جو سمعانیؒ اور غزالیؒ نے ذکر کیے ہیں۔

۸۔علامہ سیف الدین آمدیؒ (م ۶۳۱ھ)

علامہ آمدیؒ نے اجتہادی مسائل میں مجتہدین کے اتباع کو واجب قرار دیا ہے اور اس کے حق میں نقلی اور عقلی دلائل پیش کیے ہیں:

''العامی ولیس له اهلیةالاجتهادوان کان محصلالبعض العلوم المعتبرة فی الاجتهادیلزمه اتباع قول المجتهدین والاخذبفتواهم عندالمحققین من الاصولیین۔۔۔ویدل علیه النص والاجماع والمعقول''

''عام آدمی پر اور اس شخص پر بھی جو اجتہاد کی اہلیت نہ رکھتا ہو اگرچہ اجتہاد کے لیے ضروری علوم میں سے بعض علوم اس نے حاصل کر لیے ہوں، لازم ہے کہ وہ مجتہدین کے قول کا اتباع کرے اور ان کے فتوے پر عمل کرے، محققین اصولیوں کی تحقیق یہی ہے اور نص، اجماع اور عقل تینوں اس پر دلالت کرتے ہیں''۔

ان دلائل ثلاثہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''نص تو اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ: ''فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ'' اہل علم سے پوچھ لو اگر تم خود علم نہ رکھتے ہو اور ''فَاسْئَلُوْا'' کے امر کا ادنیٰ درجہ جواز تو یقیناً ہے اور اجماع یہ ہے کہ صحابہؓ اور تابعین کے زمانے میں عام لوگ مجتہدین سے فتویٰ لیتے تھے اور ان کا اتباع کرتے تھے، اور علماء دلیل کی طرف اشارہ کیے بغیر عوام کے سوالات کا جواب دیتے تھے:

''فکان اجماعاعلی جوازاتباع العامی للمجتهد مطلقا'' تو یہ اس بات پر اجماع ہوا کہ عام آدمی کیلیے مجتہد کا اتباع مطلقاً جائز ہے (خواہ اس نے دلیل بیان کی ہو یا نہ کی ہو) اور عقلی دلیل یہ ہے کہ اجتہاد کی صلاحیت نہ رکھنے والے شخص کو اگر مکلّف قرار دیا جائے تو یہ سب کے نزدیک اجماع کے خلاف ہے اس لیے کہ ہر عاقل بالغ شخص مکلّف ہے۔ جب مکلّف ہے تو پھر یا تو ہر شخص پر دلائل سے احکام معلوم کرنا لازم قرار دیا جائے گا یا اسے تقلید کی اجازت دی جائے گی۔ پہلی صورت ممکن نہیں ہے اس لیے کہ ہر شخص کو اجتہادی اور استدلالی علم کا مکلّف بنانے سے زراعت، تجارت، صنعت و حرفت اور زندگی کی باقی سرگرمیاں معطل ہو جائیں گی اور یہ وہ حرج ہے جس کی اللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے اپنے قول میں نفی کی ہے کہ "وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ" اور اللہ نے تم پر دین کے معاملہ میں کوئی تنگی نہیں رکھی' جب یہ صورت ممکن نہیں تو پھر تقلید کے علاوہ دوسری کوئی صورت باقی نہیں رہتی"۔(۴۶)

۹۔حافظ ابن قیمؒ (م ۷۵۱ھ)

ابن قیمؒ تقلید اور مقلدین کے شدید مخالف تھے لیکن لاعلم یا کم علم کے لیے فقہاء اسلام کی اطاعت کے بارے میں فرماتے ہیں:

"وطاعتهم افرض عليهم من طاعة الامهات والآباء بنص الكتاب قال الله تعالىٰ "يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْئٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا" قال عبدالله بن عباسؓ في احدى الروايتين عنه وجابر والحسن البصري وابوالعاليه وعطاء بن ابي رباح والضحاك ومجاهد في احدى الروايتين عنه' اولوالامر هم العلماء وهواحدى الروايتين عن احمد وقال ابوهريرة وابن عباس في الرواية الاخرى وزيدبن اسلم والسدى ومقاتل "هم الامراء' وهو الرواية الثانية عن احمد' والتحقيق ان الامراء انمايطاعون اذاامروا بمقتضى العلم فطاعتهم تبع لطاعة العلماء"(۴۷)

"لوگوں پر فقہاء اسلام کی اطاعت کی فرضیت ماں باپ کی اطاعت سے بھی زیادہ ہے اور اس کی دلیل اللہ کا یہ ارشاد ہے کہ "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی' اطاعت کرو رسول کی اور اپنے اولوالامر کی ۔اگر تمہارا کسی چیز میں تنازع ہو جائے اور اختلاف ہو جائے تو فیصلے کے لیے اسے اللہ اور اس کے رسول کی جانب لوٹا دو اگر تم اللہ اور یوم خرت پر ایمان رکھتے ہو' یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اس کا نتیجہ بھی اچھا ہوگا' عبداللہ بن عباسؓ کا ایک قول' جابر بن عبداللہ' حسن بصری' ابوالعالیہ' عطاء بن ابی رباح' کی رائے اور مجاہد کا ایک قول یہ ہے کہ الوالامر سے علماء مراد ہیں' امام احمدؒ کا ایک قول بھی اسی طرح ہے۔لیکن ابو ہریرہ' ابن عباس کا دوسرا قول' زید بن اسلم' سدی اور مقاتل کا قول یہ ہے کہ ان سے مراد امراء ہیں۔ امام احمدؒ کا دوسرا قول بھی اسی طرح منقول ہے۔لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ امراء کی اطاعت 'علماء کی اطاعت کے تابع ہوگی' اس لیے اولوالامر سے علماء اور امراء دونوں مراد ہیں"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۰۔امام ابواسحاق الشاطبیؒ (م ۷۹۰ھ)

''ان المقلداذاعرضت له مسئلة دينية لايسعه الاالسؤال عنها في الجملة لان الله لم يتعبدالخلق بالجهل''(۴۸)

''مقلد کو جب کوئی دینی مسئلہ پیش آ جائے تو دین میں اس کے لیے جائز نہیں ہے مگر اہل علم سے سوال کرنا اس لیے کہ اللہ نے علم کے بغیر کسی کو مکلّف نہیں بنایا''

آگے مسئلہ تاسعہ میں لکھتے ہیں:

''عوام کے لیے مجتہدین کے فتوے وہی حیثیت رکھتے ہیں جو مجتہدین کے لیے شرعی دلائل کی ہے کیونکہ مقلدین کے لیے دلائل کا وجود اور عدم دونوں برابر ہیں' اس لیے کہ وہ ان دلائل سے استفادہ نہیں کر سکتے' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''اگر تم سمجھ نہیں سکتے تو اہل علم سے پوچھ لیا کرو۔ چونکہ مقلد علم نہیں رکھتا اس لیے اس کے لیے سوال کرنے کے علاوہ دوسری کوئی صورت جائز نہیں ہے اور دینی احکام معلوم کرنے کے لیے اسے اہل علم ہی کی جانب رجوع کرنا پڑے گا''(۴۹)

۱۱۔علامہ بدرالدین زرکشیؒ (م ۷۹۴ھ)

علامہ زرکشیؒ نے فروعی اور علمی مسائل میں تقلید کے بارے میں تین مذاہب نقل کیے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ مطلقاً حرام ہے۔ یہ بعض معتزلہ اور ابن حزم کا مذہب ہے۔ دوسرا یہ کہ مطلقاً واجب ہے مگر ان کے نزدیک صحیح مسلک یہ ہے:

''والثالث وهوالحق وعليه ائمةالاربعةوغيرهم يجب على العاسي ويحرم على المجتهد' وقول الشافعي وغيره لايحل تقليداحدسرادهم على المجتهدقال عبدالله بن احمدسألت ابى الرجل يكون عنده الكتاب المصنفةفيهاقول الرسول واختلاف الصحابةوالتابعين وليس له بصيرةبالحديث الضعيف المتروك ولااسنادالقوى من الضعيف هل يجوزان يعمل بماشاء ويفتي به؟قال لايعمل حتى يسئل اهل العلم عمايوخذبه منها قال القاضي ابويعلى ظاهرهذاان فرضه التقليد والسؤال اذلم يكن له معرفةبالكتاب والسنةانتهى''(۵۰)

''تیسرا مذہب حق ہے اور اسی پر قائم تھے ائمہ اربعہ اور دوسرے علماء کہ عام آدمی پر تقلید واجب ہے اور مجتہد کے لیے تقلید (دلیل معلوم کیے بغیر کسی کے قول پر عمل کرنا) حرام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔امام شافعی وغیرہ کے اس قول سے مراد کہ کسی کی تقلید حلال نہیں ہے' مجتہد ہے۔امام احمد بن حنبلؒ کے بیٹے عبداللہ نے فرمایا کہ: میں نے اپنے باپ سے پوچھا کہ ایک شخص کے پاس تصنیف شدہ کتابیں موجود ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور صحابہ وتابعین کے مختلف اقوال لکھے ہوئے ہیں لیکن اس کو حدیث ضعیف' حدیث متروک اور حدیث قوی کے درمیان تمیز کرنے کی بصیرت حاصل نہیں ہے تو کیا اس کے لیے جائز ہے کہ جس حدیث پر چاہے عمل کرے اور فتوی دے؟ انہوں نے (احمد بن حنبلؒ) جواب دیا: وہ اس وقت تک عمل نہ کرے جب تک کہ اہل علم سے پوچھ نہ لے' کہ ان میں سے کون سی حدیث عمل کے قابل ہے۔قاضی ابویعلی حنبلی فرماتے ہیں کہ اس قول کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایسے شخص کا فرض یہ ہے کہ تقلید کرے اور اہل علم سے پوچھ لے جب اسے کتاب وسنت کا علم حاصل نہ ہو''

علامہ زرکشیؒ نے اس کے بعد عام آدمی کے لیے تقلید کے وجوب اور مجتہد کے لیے تقلید کی حرمت کے دلائل بیان کیے ہیں جو وہی دلائل ہیں جن کا ذکر پہلے تفصیل سے ہو چکا ہے کہ جن لوگوں کے اندر دلائل سے اخذِ احکام کی اجتہادی صلاحیت ہو یا جو لوگ مجتہد کے دلائل کو سمجھ سکتے ہوں ان کے لیے دلیل معلوم کیے بغیر عمل کرنا اور فتوی دینا جائز نہیں ہے۔لیکن جو لوگ دلائل کو سمجھ ہی نہ سکتے ہوں ان کے لیے تقلید واجب ہے۔اس لیے کہ ان کے لیے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں ہے۔

۱۲۔شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ)

شاہ ولی اللہؒ اندھی اور جامد تقلید کے کتنے شدید مخالف تھے اس کے بارے میں گزشتہ صفحات میں التفہیمات الالھیہ اور حجۃ اللہ البالغۃ کے اقتباسات نقل ہو چکے ہیں لیکن باوجود اس شدید مخالفت کے وہ فرماتے ہیں کہ:

''ان ھذہ المذاھب الاربعۃ المدونۃ المحررۃ قد اجتمعت الامۃ اومن یعتدبہ منھا علی جواز تقلیدھا الی یومنا ھذا وفی ذلک من المصالح مالا یخفی لاسیما فی ھذہ الایام التی قصرت فیھا الھمم جد او اشربت النفوس الھوی واعجب کل ذی رای برأیہ''(۵۱)

''یہ چار مدون اور تحریری شکل میں مرتب کردہ مذاہب جو ہیں ان کی تقلید کے جواز پر ہمارے زمانے تک پوری امت نے یا امت کے معتد بہ تعداد نے اجماع کر لیا ہے اور اس میں بہت سی مصلحتیں ہیں جو پوشیدہ نہیں بالخصوص اس زمانے میں جب کہ لوگوں کی ہمتیں بہت ہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کمزور ہو چکی ہیں، نفوس میں نفسانیت پھیل چکی ہے اور ہر صاحب رائے اپنی رائے پر اتراتا اور اس پر اصرار کرتا ہے''

شاہ ولی اللہؒ کا مقصد یہ ہے کہ اگرچہ مجتہدین ائمہ اربعہ میں منحصر نہیں ہیں لیکن چونکہ امت مسلمہ نے عملاً ان کے اتباع پر تقریباً اجماع کرلیا ہے اور ان کی آراء اور فقہی واجتہادی مذاہب تحریری شکل میں مدون بھی ہو چکے ہیں، جس سے استفادہ کرنے میں بہت سے مصالح بھی ہیں اس لیے ائمہ اربعہ کے مدون مذاہب سے باہر نکل کر کسی دوسرے امام کی تقلید مناسب نہیں ہے۔ لیکن ان کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ان میں سے کسی ایک امام کے مذہب کا التزام کرنا یعنی شخصی تقلید کرنا واجب ہے۔ اس لیے اس کے بعد انہوں نے فرمایا ہے کہ:

''وقال ابوشامة ینبغی لمن اشتغل بالفقه ان لایقتصر علی مذهب امام ویعتقد فی کل مسئلة صحة ماکان اقرب الی دلالة الکتاب والسنة المحکمة وذلک سهل علیه اذاکان اتقن معظم العلوم المتقدمة ولیجتنب التصعب والنظرفی طرائق الخلاف المتأخرة فانهامضبعة للزمان ولصفوه مکدرة فقدصح عن الشافعی انه نهی عن تقلیده وتقلید غیره''(۵۲)

''ابوشامہ نے فرمایا کہ فقہ کا شغل رکھنے والے کے لیے مناسب ہے کہ وہ کسی متعین امام کے مذہب پر اکتفاء نہ کرے بلکہ ہر مسئلہ میں اس بات کی صحت پر عقیدہ رکھے جو قرآن وسنت کی دلالت کے قریب تر ہو اور یہ اس کے لیے آسان ہے جب کہ اس نے علوم قدیمہ کے اکثر حصے میں پختگی حاصل کرلی ہو۔ اور اسے چاہیے کہ تعصب اور بعد میں رونما ہونے والے اختلافات میں الجھنے سے اجتناب کرے۔ اس لیے کہ یہ وقت ضائع کرنے والے ہیں اور پاک وصاف دین کو گدلا کرنے والے ہیں۔ امام شافعیؒ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ انہوں نے اپنی اور دوسروں کی تقلید سے منع کیا ہے''۔

اس عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ شاہ صاحب مذہب معین کے التزام یعنی شخصی تقلید کو ضروری نہیں سمجھتے تھے البتہ ائمہ اربعہ سے خروج کو مناسب نہیں سمجھتے تھے۔

تقلید الاموات:

اصول فقہ کی کتابوں میں ایک مسئلہ یہ بھی موضوع بحث بن گیا ہے کہ کیا فوت ہو جانے والے مجتہدین کی تقلید جائز ہے یا نہیں؟ جمہور کہتے ہیں کہ جائز ہے، بعض کہتے ہیں کہ ناجائز ہے، بعض

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہتے ہیں کہ اگر زندہ مجتہد موجود ہو تو جائز نہیں ہے ورنہ جائز ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اگر فوت ہو جانے والے مجتہد کے اقوال نقل کرنے والا اس کے مسلک کو اچھی طرح سمجھتا ہو اور اس کے مسلک میں تجربہ اور مہارت حاصل ہو تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں ہے۔

سابقہ عنوانات کے تحت تنقیحات وتحقیقات ہم نے شرعی دلائل اور فقہاء اسلام کے اقوال کی روشنی میں تحریر کی ہیں۔ ان سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ تقلید الاموات کی یہ بحث ایک لا طائل بحث ہے اس لیے کہ ایک عام آدمی جو نہ زندہ مجتہد کے دلائل کو سمجھ سکتا ہو اور نہ فوت شدہ مجتہد کے دلائل کو سمجھ سکتا ہے' اس کے لیے تو حکم یہی ہے کہ وہ کسی ایسے زندہ مفتی سے مسئلہ پوچھ کر عمل کرے جس کے علم وتقوی پر اسے اعتماد ہو' جسے مسلمانوں میں قبول عام حاصل ہو اور جس کی طرف فتوی حاصل کرنے اور رہنمائی لینے کے لیے مسلمان رجوع کرتے ہوں۔ باقی رہا وہ مفتی جو ائمہ اربعہ اور ان کے تلامذہ کے درجے کا مجتہد نہ ہو لیکن مجتہدین کے بیان کردہ دلائل کی بنیاد پر دینے کا پابند ہے جیسا کہ خود مجتہدین نے وصیت کی ہے۔ جب فتوی دلائل کی روشنی میں دینا ہے اور دلائل پر موت نہیں آتی وہ مجتہد کی زندگی میں بھی زندہ تھے اور مجتہد کی موت کے بعد بھی وہ زندہ ہیں تو تقلید المجتھد المیت'' کے جواز وعدم جواز کی بحث غیر ضروری ہے۔ اس کے علاوہ مجتہدین کے اتباع کے معنی ہیں ان سے شرعی احکام شرعی دلائل کی روشنی میں سیکھنا اور ان پر عمل کرنا۔ اور سیکھنا اور سکھانا زبان سے بھی ہوتا ہے اور قلم سے بھی۔ قرآن کریم میں ''عَلَّمَهُ الْبَیَانَ'' بھی آیا ہے اور ''عَلَّمَ بِالْقَلَمِ'' بھی آیا ہے۔ ائمہ اربعہ اور دوسرے اسلاف کی علمی واجتہادی تحقیقات کتابوں میں لکھی ہوئی ہمارے پاس موجود ہیں' ان کے فتاوی اور دلائل کتابوں میں پڑھنا ایسا ہے جیسا کہ ان کی زبان سے سننا بشرطیکہ ان کتابوں کی نسبت ان کے مصنفین کی طرف مشکوک ومشتبہ نہ ہو بلکہ مشہور ومعروف ہو' مالکیہ کے مشہور فقیہہ قاضی ابوالولید باجی نے اپنی کتاب ''الاشارة فی اصول الفقه'' میں ''باب القول فی تقلید من مات من العلماء'' کے نام سے ایک مستقل باب قائم کیا ہے جس میں انہوں نے اسی بات کو ثابت کیا ہے۔ (۵۳)

امت مسلمہ کے قرونِ اولی سے لے کر آج تک تعامل بھی یہی رہا ہے کہ علماء کی کتابوں اور فتاوی سے لوگ مسائل کے احکام اور فتاوے حاصل کرتے رہتے ہیں۔ اور یہ ایک واضح مسئلہ ہے جسے بعض کتابوں میں غیر ضروری تشقیقات اور قیل وقال نے الجھا دیا ہے مگر امید ہے کہ اس مختصر سی وضاحت کے بعد ذہنوں سے الجھاؤ ختم ہو جائے گا۔

تقلید کے خلاف ابن حزم کے دلائل کا جائزہ:

حافظ ابو محمد علی بن حزمؒ الظاہری الاندلسی (م ۴۵۶ھ) قیاس کو حجت تسلیم نہیں کرتے تھے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اورنصوص میں تدبر وتفقہ کی زحمت بھی نہیں اٹھاتے تھے بلکہ ان کے ظاہری معنی ہی پر استدلال کرتے تھے۔اس لیے ظاہری کالفظ ان کے نام کالاحقہ بن گیا ہے اور ابن حزم ظاہری کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔رمضان ۳۸۴ھ میں اندلس کے مشہور شہر قرطبہ میں پیدا ہوئے تھے۔اور شعبان ۴۵۶ میں ایک صحراء میں فوت ہوئے تھے۔اس لحاظ سے یہ وزارت وریاست اور دولت وثروت کے گھرانے کے ایک فرد تھے۔ابن عبدالبر (م۴۶۳ھ) اور قاضی ابوالولید باجی (م۴۷۴ھ) کے ہم عصر اور مصاحب تھے۔کہا جاتا ہے کہ اس نے ۴۰۰ جلدوں پر مشتمل کتابیں لکھی تھیں جن کے کل ۸۰۰۰۰ (اسی ہزار) ورقے بنتے ہیں۔ذہین تھے اور کتاب وسنت، مذاہب وملل، عربیت وادب اور منطق وفلسفہ وغیرہ کی وسیع معلومات رکھتے تھے، مگر کہا گیا ہے کہ ابن حزم ظاہری کی زبان اور حجاج بن یوسف ثقفی کی تلوار دونوں سگے بھائیوں کی طرح تھے۔اس لیے کہ یہ ائمہ مجتہدین اور علماء متقدمین پر بڑی شدید اور اذیت ناک تنقید کرتے تھے۔خود میں نے ان کی کتاب ''الاحکام فی اصول الاحکام'' میں تقلید کے قائلین کے بارے میں گدھے اور بے حیا جیسے الفاظ پڑھے ہیں بلکہ ان کی کتابوں میں ہم نے ان سے بھی زیادہ دل دکھانے والے الفاظ دیکھے ہیں لیکن ان کو یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔چونکہ ان کی زبان سے ائمہ دین اور علماء دین میں سے شاذ ونادر ہی کوئی محفوظ رہا ہوگا اس لیے وقت کے علماء وفقہاء ان سے شدید نفرت کرتے تھے اور انہیں ایک فتنہ سمجھتے تھے۔علماء کی مخالفت کی وجہ سے وقت کے حکمرانوں نے بھی ان کو اپنے ملک کے شہروں سے جلاوطن کر دیا تھا۔یہاں تک کہ ان کی وفات بھی لبلہ نام کے ایک صحرائی علاقے میں ہوئی تھی۔علماء اور حکام آخر تک ان کے مخالف تھے اور ان کی کتابیں بھی جلا دی گئی تھیں لیکن اس کے باوجود یہ موت تک درس وتدریس، تصنیف وتالیف، دعوت وارشاد اور مجادلے ومناقشے میں مصروف رہے تھے۔اور ان کی ۷۲ سالہ زندگی کا اکثر حصہ انہی سرگرمیوں میں گزرا ہے۔ابن حزم کی حدت وشدت اور سطحیت وظاہریت اور بعض مسائل میں ان سے شدید اختلاف کے باوجود میں اسے ایک صحیح العقیدہ مسلمان اور اہل سنت والجماعہ میں شامل سمجھتا ہوں۔غفر اللہ تعالیٰ ورحمہ اللہ تعالیٰ۔آمین۔ان کے تفصیلی سوانح کے لیے ملاحظہ کیجئے ذہبی کی تذکرۃ الحفاظ ص ۱۱۴۶ تا ۱۱۵۴ ج ۳، اور ابن کثیر کی البدایہ ص ۹۱۔۹۲ جلد ۱۲۔

ابن حزم تقلید کو حرام سمجھتے ہیں۔اپنی کتاب ''المحلی'' میں لکھتے ہیں:

''ولا یحل لاحد ان یقلد احدا لاحیا ولا میتا وعلی کل احد من الاجتہاد حسب طاقتہ'' (۵۴)

''کسی کے لیے بھی حلال نہیں ہے کہ وہ کسی اور کی تقلید کرے، نہ زندہ کی اور نہ مرنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

والے کی بلکہ ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ اپنی طاقت کے مطابق اجتہاد کرے''

اور اصول فقہ میں اپنی کتاب ''الاحکام فی اصول الاحکام'' میں تقلید کے دلائل کا جواب دینے کے بعد اور عدم تقلید کے دلائل بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''فالتقلید کلہ حرام فی جمیع الشرائع اولھا عن آخرھا''(۵۵)

''پس تمام احکام شرعیہ میں اول سے آخر تک ہر قسم کی تقلید حرام ہے''

تقلید کے ابطال کے لیے انہوں نے ''الاحکام فی اصول الاحکام'' کے جزء سادس میں ۱۲۴ صفحات اور چار فصول پر مشتمل مستقل باب قائم کیا ہے۔ پہلی فصل ۶۱ صفحات پر مشتمل ہے جس میں ابن حزم نے مقلدین کے ۲۱ دلائل کا رد کیا ہے اور ان کے جوابات دیئے ہیں۔ ان دلائل کو انہوں نے شور وشغب اور تمویہ یعنی باطل کو حق کا لباس پہنانا اور دھوکہ دینا) کا نام دیا ہے اور ان کے پیش کرنے والوں پر جگہ جگہ بڑے تند و تیز اور دل آزار قسم کے فقرے کسے ہیں۔ قائلین تقلید کے اکثر دلائل تمویہ تو نہیں ہیں لیکن بہت زیادہ کمزور ہیں، جن کا ابن حزم نے بڑی آسانی سے جواب دے دیا ہے۔ اگر ان دلائل کا ذکر نہ کیا جاتا تو اچھا ہوتا اس لیے کہ جب کسی مدعی کے دو تہائی دلائل کمزور ثابت ہو جائیں تو لوگوں کی نظروں میں باقی ایک تہائی قوی دلائل بھی مشکوک ہو جاتے ہیں، لیکن اگر ایک ہی دلیل پیش کر دی جائے جو قوی اور مضبوط ہو تو دعوی ثابت ہو جاتا ہے۔ ''یک بگیر محکم بگیر'' اس جائزے میں کمزور دلائل پر تبصرہ کرنا تو لا حاصل ہے لیکن صحیح اور قوی دلائل کے جو جوابات ابن حزم نے دیے ہیں ان کا مختصر سا جائزہ لیا جا رہا ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ ان کے جوابات تو شغب اور تمویہ کے مفہوم میں شامل ہیں مگر یہ دلائل شغب اور تمویہ نہیں ہیں بلکہ بڑے قوی اور محکم دلائل ہیں۔ ان دلائل کی دلالت تو پہلے واضح ہو چکی ہے یہاں صرف ابن حزم کے جوابات پر تبصرہ کرنا ہی کافی ہے۔

۱۔ فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ'' سے ثابت ہوتا ہے کہ لاعلم لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اہل علم کے فتوے پر عمل کریں اس لیے کہ وہ براہ راست قرآن وسنت سے احکام معلوم نہیں کر سکتے۔ اس کے جواب میں ابن حزم کہتے ہیں کہ ''اللہ نے تو اس آیت میں سچ بولا ہے مگر اس میں تحریف کرنے والے نے جھوٹ بولا ہے اس لیے کہ اہل الذکر سے سنن نقل کرنے والے اور قرآن کے احکام کو جاننے والے مراد ہیں اور اللہ نے اس آیت میں ہم کو یہ حکم دیا ہے کہ اہل علم سے پوچھ لیا کرو تا کہ وہ تم کو قرآن وسنن کے احکام بتائیں۔ سوال کرنے کا حکم اس لیے نہیں دیا کہ وہ اپنی آراء فاسدہ اور ظنون کاذبہ سے دین میں وہ حکم وضع کریں جس کی اجازت اللہ نے نہیں دی۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ''وفی ھذا کفایۃ وباللہ التوفیق'' یہ جواب کافی ہے اور ہم اللہ ہی سے توفیق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مانگتے ہیں''(۵۶)

تبصرہ:

ابن حزم کا یہ جواب کافی نہیں ہے بلکہ تمویہ اور اغلوطہ ہے اس لیے کہ اپنی طرف سے حکم وضع کرنا بھی حرام ہے، اور اگر سائل کو معلوم ہو جائے کہ یہ اپنی طرف سے وضع کردہ حکم ہے تو اس کے لیے ایسے حکم پر عمل کرنا اور ایسے عالم کا اتباع کرنا بھی حرام ہے۔ قرآن وسنت کے احکام کے خلاف کسی کی تقلید کرنے کی حرمت پر تو سب کا اجماع ہے اور یہ ایک مسلمہ اور متفقہ حقیقت ہے۔ لیکن قرآن وسنت اور اللہ ورسول کا حکم معلوم کرنے کے لیے سنن اور قرآن کے عالم سے پوچھنا اور اس کے بتائے ہوئے (نہ کہ بنائے ہوئے) حکم پر عمل کرنا تو اس آیت سے ثابت ہوتا ہے جس کا آپ بھی اعتراف کرتے ہیں، تو یہ بات جھوٹ کیسے ہوگئی اور اسے تحریف کس بنیاد پر کہا جا سکتا ہے؟ قرآن وسنت کے احکام کے مقابلے میں علماء دین اور فقہاء ومجتہدین کے اتباع کا تو کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ اور قرآن وسنت کے احکام معلوم کرنے کے لیے ان سے پوچھنے کے آپ بھی قائل ہیں تو آخر اس شور وشغب اور تمویہ کا سبب کیا ہے؟ اور ''کذب وتحریف'' کا الزام لگانے کی بنیاد کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ قرآن وسنت کے احکام کے معلوم کرنے کے لیے علماء دین کی طرف رجوع کرنا اور ان کا اتباع کرنا اس آیت سے ثابت ہوتا ہے اور یہ حق ہے۔ اور قرآن وسنت کے احکام کے مقابلے میں وضع کردہ احکام وقوانین معلوم کرنے کے لیے ان کے واضعین کی طرف رجوع کرنا ثابت نہیں ہوتا اور یہ باطل ہے۔

سوال کا جواب:

ابن حزم نے اپنی مذکورہ کتاب کے ۲۰ صفحات پر مشتمل فصل ثالث کو اعتراضات کے جوابات کے لیے مخصوص کیا ہے۔ اس میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ''فان قال قائل فکیف یضع العامی اذا نزلت به النازلة'' اگر کوئی کہے کہ عام آدمی کیا کرے گا جب اس کو کوئی مسئلہ معلوم کرنے کی ضرورت پڑ جائے؟

سوال کا مقصد یہ ہے کہ جب آپ تقلید کو مطلقاً حرام سمجھتے ہیں اور ہر شخص پر اجتہاد کو لازم قرار دیتے ہیں تو پھر عام آدمی کیا کرے گا؟ اس لیے کہ وہ نہ تو خود دلائل معلوم کر سکتا ہے اور نہ مجتہد کے دلائل کو سمجھ سکتا ہے۔ اس کا جواب انہوں نے یہ دیا ہے کہ: تقلید عامی اور عالم دونوں کے لیے حرام ہے اور اجتہاد عالم اور عامی دونوں پر لازم ہے۔ لیکن ہر ایک کا اجتہاد اس کی طاقت کے مطابق ہوتا ہے۔ عامی کا اجتہاد یہ ہے کہ وہ اس عالم کی تلاش کرے جو اسے اللہ ورسول کا حکم بتاتا ہو۔ جب اس نے کسی عالم سے مسئلہ پوچھا اور اس نے جواب میں کہا کہ اللہ ورسول کا یہ حکم ہے تو عامی کو چاہیے کہ اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر عمل کرے اور اس کے ساتھ مزید بحث نہ کرے۔ لیکن اگر اس نے کہا کہ یہ میرا قول ہے' یا مالک کا قول ہے یا ابن قاسم کا قول ہے' یا ابوحنیفہ کا قول ہے' یا ابویوسف کا قول ہے' یا شافعی کا قول ہے' یا احمد کا قول ہے' یا داؤد کا قول ہے۔ یا اس نے کسی صحابی کا نام لیا' یا کسی تابعی کا نام لیا' یا نبی کریم ﷺ کے علاوہ کسی اور کا نام لیا تو اس صورت میں سائل کے لیے اس کے فتوے پر عمل کرنا حرام ہے' اور اس پر فرض ہے کہ وہ دوسرے عالم سے پوچھے اور جہاں کہیں بھی ہو اسے تلاش کرے۔ (۵۷)

تبصرہ:

یہ بات تو درست ہے کہ مستفتی کو ہر ایک سے مسئلہ نہیں پوچھنا چاہیے بلکہ مفتی کے علم اور اس کی عدالت و دیانت معلوم کرنے کے لیے اجتہاد اور کوشش کرے اور جس کے بارے میں ظن غالب حاصل ہو جائے کہ یہ اللہ و رسول اللہ کے احکام کو جانتا ہے تو اس کے فتوے پر عمل کرے۔ ابن حزم کے ہم عصر اور ہم نشین قاضی ابوالولید باجی (م ۴۷۴ھ) لکھتے ہیں:

"یجب عندمالك علی العامی اذاارادان یستفتی ضربامن الاجتهاد وهوان یقصدالی اهل ذلك العلم الذی یریدان یسئل عنه ولایسئل جمیع من یلقاه ولکنه اذاارشدالی فقیه نظرالی هیئته وحذقه وصنعته وسئل عن مبلغ علمه وامانته فمن کان اعلی رتبةفی ذلك استفتاه وقبل قوله وفتواه لان هذااوفق لدینه واحوط لمایقدم علیه من امرشریعه" (۵۸)

"امام مالکؒ کے نزدیک عام آدمی پر واجب ہے کہ جب وہ کسی معاملے میں فتویٰ حاصل کرنا چاہے تو مفتی کے بارے میں ایک قسم کا اجتہاد کرے اور وہ اس طرح کہ جس مسئلے کا یہ علم حاصل کرنا چاہتا ہو اس مسئلے کے عالم کے پاس جائے' ہر ایک سے نہ پوچھے' اور جب اسے ایک فقیہہ کے پاس جانے کی ہدایت کی جائے تو جا کر اس کی ظاہری ہیئت' اس کی ذکاوت' اس کے کسب معیشت' اس کے مبلغ علم اور اس کی امانت و دیانت کے بارے میں غور و فکر کرے' اور جو بھی ان امور میں اعلیٰ درجے کا حامل نظر آئے اسی سے فتویٰ حاصل کرے اور اسی کے قول اور فتوے کو قبول کرے اس لیے کہ یہ طریقہ مستفتی کے دین کے ساتھ زیادہ موافقت رکھتا ہے اور شریعت کا حکم معلوم کرنے کے لیے یہ زیادہ محتاط طرز عمل ہے"

امام رازیؒ (م ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں:

"اتفقواعلی انه لایجوزله الاستفتاء الااذاغلب علی ظنه ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یفتیه من اھل الاجتہادو من اھل الورع''

''اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی مفتی سے فتوی اور جواب حاصل کرنا اسی صورت میں جائز ہو سکتا ہے جب کہ اس کی اجتہادی صلاحیت اور اس کی تقوی کے بارے میں ظن غالب حاصل کر لیا جائے''۔

اور ظن غالب کے حصول کا ذریعہ یہ بتاتے ہیں کہ:

''جب اسے مفتی کے منصب پر بیٹھا ہوا پائے اور دیکھے کہ مسئلہ پوچھنے کے لیے اس کے پاس لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے اور لوگ آتے جاتے ہیں تو غالب گمان یہی ہوتا ہے کہ یہ شخص اپنے علم و امانت کے اعتبار سے اہل ہو گا۔ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس شخص سے فتوی نہ لیا جائے جس کے بارے میں مستفتی کا ظن غالب یہ ہو کہ یہ شخص نہ عالم ہے اور نہ متدین'' (۵۹)

علامہ آمدیؒ (م ۶۳۱ھ) علامہ زرکشیؒ (م ۷۹۴ھ) اور علامہ ابن ہمام (م ۷۶۱ھ) نے اپنے اپنے الفاظ میں بعینہ وہی بات لکھی ہے جو باجی اور رازی نے کہی ہے۔ (۶۰)

لیکن سوال یہ ہے کہ عامی کا یہ اجتہاد مفتی معلوم کرنے کے لیے ہے یا قرآن وسنت سے براہ راست حکم معلوم کرنے کے لیے ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ اجتہاد مفتی تلاش کرنے کے لیے ہے اس لیے کہ اگر اس کے اندر شرعی دلیل سے شرعی حکم معلوم کرنے کی صلاحیت ہوتی تو وہ مفتی کی تلاش کے لیے محنت کیوں کرتا؟ جب وہ مفتی کی تلاش اور تعین کے لیے کوشش اور اجتہاد کرتا ہے تو اس کی اہلیت کا ظن غالب حاصل ہونے کی بنیاد پر یہ اس کے قول پر عمل کیوں نہیں کرے گا۔ جب وہ کہتا ہے کہ ''اللہ ورسول کا حکم یہ ہے تم اس پر عمل کرو'' یہ قول نہیں تو اور کیا ہے؟ مگر ابن حزم کہتا ہے کہ اگر مفتی نے کہا ہو کہ یہ میرا قول ہے یا فلاں اور فلاں مجتہد کا قول ہے تو اس پر عمل کرنا حرام ہے حالانکہ ایک متدین اور متقی عالم دین کے بارے میں یہ تصور کرنا بھی ممکن نہیں ہے کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ اللہ ورسول کا حکم تو دوسرا ہے مگر میرا وضع کردہ قانون یہ ہے تم اسی پر عمل کرو بلکہ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ میری تحقیق اور اجتہاد کے مطابق یا فلاں مجتہد کی اجتہادی تحقیق کے مطابق اللہ ورسول کا حکم یہی ہے اور یہ کسی کا وضع کردہ نہیں ہے بلکہ قرآن وسنت کی نصوص سے مستنبط کردہ ہے اور مستفتی کے اجتہاد کے مطابق بھی یہ مفتی اپنا یا کسی اور کا وضع کردہ حکم بتانے والا نہیں ہوتا بلکہ اللہ ورسول کا حکم بتانے والا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے تو وہ اس کے پاس شرعی حکم معلوم کرنے کے لیے آیا ہے تاہم عام مستفتی فتوے کے شرعی ماخذ کو سمجھ نہیں سکتا بلکہ مفتی کے تفقہ اور تدین وتورع پر اعتماد اور ظن غالب کی بنیاد پر اس کے فتوے پر عمل کرتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو آخر اسے اتباع العلماء اور تقلید العلماء کا نام نہ دیا جائے تو اور کیا نام دیا جائے؟ ظاہر ہے کہ اجتہاد کا نام تو اسے نہیں دیا جا سکتا اس لیے کہ قرآن وسنت سے حکم معلوم کرنے یا مفتی کے دلائل کو سمجھنے کی صلاحیت عام آدمی کے اندر موجود نہیں ہے' البتہ اگر بعد میں مستفتی کو کسی وجہ سے معلوم ہو گیا کہ مفتی نے مجھے قرآن وسنت کی صریح نصوص یا اجماع کے خلاف فتوے دیا تھا تو اس صورت میں اس فتوے پر عمل کرنا حرام ہے کیونکہ قرآن وحدیث کے مقابلے میں کسی کی تقلید جائز نہیں ہے۔

۲۔ ''وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ'' (التوبہ:۱۲۲) '' سے ثابت ہوتا ہے جیسا کہ پہلے وضاحت ہو گئی ہے کہ فقہاء دین اپنی قوم کو دین کے احکام بتائیں گے اور وہ ان پر عمل کرے گی تو یہ علماء وفقہاء کے اتباع وتقلید کے جواز کی کھلی دلیل ہے۔

ابن حزم اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

''اس آیت میں ان کے لیے کوئی حجت نہیں ہے اس لیے کہ اس آیت میں ''منذر'' کے قول کو مطلقاً قبول کرنے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ اس نے تفقہ فی الدین میں اللہ اور اس کے رسول کا جو حکم معلوم کیا ہے اس کو قبول کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کسی بنانے والے نے اپنی طرف سے جو حکم بنایا ہے یا اپنی رائے سے دین میں جو اضافہ کیا ہے اسے ماننے کا حکم نہیں دیا۔ جو شخص کسی کو نبی ﷺ سے منقول شریعت کے علاوہ دوسری کوئی شریعت مقرر کرنے کی اجازت دیتا ہے' وہ کافر ہے جس کا مال اور خون حلال ہے اور ایسے شخص کو اللہ نے جھوٹ گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کرنے والا کہا ہے' آللَّهُ أَذِنَ لَكُمْ أَمْ عَلَى اللَّهِ تَفْتَرُونَ'' (۶۱)

<u>تبصرہ:</u>

ابن حزم کی یہ عجیب وغریب عادت ہے کہ اپنے مخالفین پر اپنی طرف سے ایک الزام لگا کر اس کی سزا سنا دیتے ہیں' پھر غیر متعلق آیات واحادیث کو اس سزا کی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ آخر یہ بات کس نے کہی تھی اور کوئی مسلمان یہ بات کہہ بھی کیسے سکتا ہے کہ اپنی طرف سے وضع کردہ حکم میں بھی فقہاء کی تقلید جائز ہے؟ بحث کا موضوع یہ ہے کہ جنہوں نے دین کا حکم معلوم کیا ہو' وہ علم نہ رکھنے والوں کو یہ حکم بتائیں گے اور وہ اس پر عمل کریں گے۔ ابن حزم تسلیم کرتے ہیں کہ آیت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے' لیکن اپنی طرف سے الزام لگاتے ہیں کہ مقلدین من گھڑت اور خود ساختہ حکم میں بھی تقلید کو جائز سمجھتے ہیں حالانکہ یہ تو افتراء علی اللہ ہے اور کفر ہے۔ یہ ایک بہتان ہے اور من گھڑت الزام ہے جس کا سوائے صبر کرنے کے اور کیا جواب دیا جا سکتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۔ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ سے مفسرین نے ثابت کیا ہے کہ لاعلم لوگوں کے لیے فقہاء اسلام کا اتباع ضروری ہے۔ اس لیے کہ اولوالامر میں امراء اور فقہاء دونوں شامل ہیں جیسا کہ پہلے اس کا ثبوت پیش کر دیا گیا ہے۔ ابن حزم اس کے جواب میں لکھتے ہیں: اس سے مراد رسول اللہ ﷺ سے نقل کردہ حکم میں اطاعت کرنا ہے' ان کے اجتہادی اقوال میں اطاعت کرنا مراد نہیں ہے۔۔ور اگر اجتہادی اقوال مراد لیے جائیں تو پھر مجتہدین کے اجماعی فیصلے مراد ہیں' شخصی فیصلے مراد نہیں ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض اولوالامر کی اطاعت کا حکم نہیں دیا بلکہ ''اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ'' کہا ہے'' وھم اھل العلم کلھم'' اور وہ سب اہل علم ہیں۔(۶۲)

تبصرہ:

عام آدمی تو نہ منصوص اور منقول حکم کو سمجھتا ہے اور نہ اجتہادی و استنباطی حکم کو جانتا ہے۔ اس کے لیے تو حکم یہ ہے کہ علماء دین میں سے جس کے علم و تدین پر اسے اعتماد ہو اس کے فتوے پر عمل کرے اور یہی اتباع اور تقلید ہے۔ اور عالم آدمی کے لیے تو مجتہد اور فقیہہ کی دلیل معلوم کیے بغیر اس کی اندھی تقلید جائز ہی نہیں ہے' اس لیے منقول حکم میں اولوالامر کی اطاعت کا جواز اور اجتہادی حکم میں عدم جواز کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ اس لیے کہ عام آدمی اس فرق کو سمجھ ہی نہیں سکتا اور عالم آدمی مجتہد کے اجتہاد کا مآخذ معلوم کرنے کے بعد ہی اس کا اتباع کر سکتا ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ اولوالامر سے سب علماء مراد ہیں۔ اس لیے کہ بعض کا لفظ آیت میں موجود نہیں ہے' تو اس کا جواب یہ ہے کہ کل یا جمیع کا لفظ بھی تو موجود نہیں ہے۔ آخر اس لفظ سے آپ نے اجماع کیسے مراد لیا۔ اس آیت کا تو صاف اور واضح مفہوم یہ ہے کہ تم دین کے احکام معلوم کرنے کے لیے اپنے معتمد علماء کی جانب رجوع کرو اور ان کی اطاعت کرو' البتہ اگر ثابت ہو جائے کہ عالم اور فقیہہ کا بیان کردہ حکم قرآن و سنت کے خلاف ہے تو پھر اس کی اطاعت نہ کرو۔ اس کے علاوہ اولوالامر میں تو حکام امراء بھی شامل ہیں بلکہ شان نزول کی احادیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آیت کا مصداق حقیقی اور مصداق اول امراء ہیں اور فقہاء اس کے عموم میں شامل ہیں' تو کیا امراء کی اطاعت بھی اسی وقت جائز ہے جب سب امراء کا اجماع ہو جائے؟ اس کا قائل تو کوئی بھی نہیں ہے' بلکہ سب کا اس پر اتفاق ہے کہ ہر شخص اپنے امیر کی اطاعت کرے البتہ معصیت میں کسی کی بھی اطاعت نہ کرے۔ جب امراء کی اطاعت کے لیے امراء کا اجماع شرط نہیں ہے تو فقہاء کی اطاعت کے لیے ان کا اجماع کس بیناد پر شرط قرار دیا جا رہا ہے اور آیت سے یہ شرط کس بنیاد پر مستنبط کی جا رہی ہے؟ البتہ یہ فرق ہے کہ اگر فقہاء کا اجماع ہو جائے تو حکم قطعی ہو جاتا ہے جس سے اختلاف نہیں کیا جا سکتا اور جب اجماع نہ ہو بلکہ فقہاء کی اجتہادی رائے ہو تو پھر حکم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ظنی ہوتا ہے جس سے دوسرے فقہاء اختلاف کر سکتے ہیں۔

۴۔ مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں ارشادِ رسول نقل ہوا ہے کہ ''علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین'' (تم پر لازم ہے کہ میری سنت کا اتباع کرو اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کا اتباع کرو) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ خلفاء راشدین کی سنت کا اتباع لازم ہے بشرطیکہ وہ سنت رسول کے خلاف نہ ہو۔ اسی حدیث کی بنیاد پر جمہور اہل السنۃ والجماعۃ خلیفہ راشد کی سنت کو حجت تسلیم کرتے ہیں لیکن ابن حزم اسے تسلیم نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ خلیفہ راشد کی سنت اسی وقت حجت بن سکتی ہے جبکہ دوسرے صحابہؓ نے اس کے ساتھ اتفاق کیا ہو، اس لیے کہ یہ اجماع صحابہؓ کی صورت ہوگی جو حجت ہے۔ اور اگر اجماع صحابہؓ کی صورت نہ ہو تو پھر اتباع خلفاء کا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح انہوں نے سنتِ رسول ﷺ کا اتباع کیا تھا اسی طرح تم بھی سنت رسول ﷺ کا اتباع کرو یعنی سنن رسول کے اتباع میں خلفاء کا اتباع کرو۔ ۶۳)

<u>تبصرہ:</u>

اجماع کی شرط کا ذکر تو حدیث میں موجود نہیں ہے بلکہ یہ ابن حزم کا اضافہ ہے جو حجت نہیں بن سکتا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ، ہیں تو یہ حضرت ظاہری مگر بعض اوقات اپنی رائے کو ثابت کرنے کے لیے حدیث کے ظاہری الفاظ میں دور دراز کی تاویلات شروع کر دیتے ہیں اور ایسی قید و شرط کا اضافہ کر دیتے ہیں جس کا حدیث کے سیاق سباق میں کوئی قرینہ نظر نہیں آتا۔ تاہم دوسرے دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر خلیفہ کی سنت کے ساتھ دوسرے صحابہ نے اتفاق کر لیا ہو تو پھر مسئلہ اجماعی بن جاتا ہے جس سے اختلاف کرنے کا حق کسی کو بھی حاصل نہیں رہتا۔ لیکن جب اجماع کی صورت نہ ہو تو پھر وہ خلیفہ کا اجتہاد ہوگا جو حجت ظنی ہے جس سے دوسرے صحابہ اختلاف بھی کر سکتے ہیں اور بعد کے مجتہدین کو بھی حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ خلیفہ کے اجتہاد کا اتباع کریں یا ان سے اختلاف کرنے والے صحابہ کے اجتہاد کا اتباع کریں۔ جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ: وماجاء ناعن الصحابۃ تخیرنا'' (اور جب صحابہ کے اقوال ہم کو پہنچیں گے تو ہم ان میں سے کسی ایک کو دلیل کی قوت کی بنیاد پر پسند کر لیں گے) البتہ اگر خلیفہ کی سنت یا کسی صحابی کا اجتہادی قول سنت رسول سے متصادم ہو تو پھر اس کی اطاعت جائز نہیں ہے، لیکن جس طرح قرآن کریم میں ایک حکم موجود نہ ہو مگر سنتِ رسول میں موجود ہو تو اس کی اطاعت کی جائے گی، اس لیے کہ اللہ نے اپنے رسول کی اطاعت کو ہم پر لازم کر دیا ہے۔ اسی طرح جو حکم سنتِ رسول میں موجود نہ ہو مگر سنت خلفاء راشدین میں موجود ہو تو اس کی اطاعت کی جائے گی اس لیے کہ خلفاء اگرچہ انبیاء نہیں ہیں لیکن اللہ کے نبی ﷺ نے ان کی سنت کے اتباع کا حکم دیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باقی رہی یہ تاویل کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم اس طرح میری اتباع کرو جس طرح کہ خلفاء کرتے ہیں یعنی میرے خلفاء تمہارے سامنے میرے جو سنن بیان کرتے ہیں تم ان کا اتباع کرو تم یہ تاویل اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اگر مراد یہی ہوتی تو کہا جاتا کہ "علیکم بسنتی کما اقتدت الخلفاء الراشدون بسنتی" یا یوں کہا جاتا ہے کہ "علیکم بسنتی کماجاء الخلفاء الراشدون بسنتی" لیکن یہاں پر تو سنت رسول کا ذکر الگ ہوا ہے اور خلفاء راشدین کی سنت کا ذکر الگ ہوا ہے، جس کے معنی یہی ہو سکتے ہیں کہ میری سنت پر مزید (مخالف اور متصادم ومتضاد نہیں) جو سنت میرے خلفاء نے جاری کی ہو، تم اس کا بھی اتباع کرو۔ عربیت کا یہ قاعدہ ہے کہ معطوف 'معطوف علیہ' سے الگ ہوتا ہے الا یہ کہ معطوف 'معطوف علیہ کا بیان ہو۔ اور یہاں پر بیان اس لیے نہیں بن سکتا کہ "علیکم بسنتی" کے مفہوم میں ابہام نہیں ہے اور یہ بیان کا محتاج نہیں ہے۔ اس قاعدے کی روشنی میں اس ارشادِ رسول ﷺ کا صاف، واضح اور متبادر مفہوم یہی ہے کہ تم پر میری سنت کا اتباع بھی لازم ہے اور میرے خلفاء کی سنت کا اتباع بھی لازم ہے۔

ابن حزم نے قائلین تقلید کا رد کرنے کے بعد تقلید کے ابطال کے لیے دلائل دیئے ہیں۔ ۳۰ صفحات پر مشتمل فصل ثانی انہی دلائل کے لیے مخصوص کی گئی ہے۔ میں نے یہ پوری فصل پوری توجہ سے اور خالی الذہن ہو کر پڑھی ہے۔ میرے مطالعے کا حاصل یہ ہے کہ قرآن وسنت کے منصوص احکام یا اجماعی احکام کے مقابلے میں تقلید کی حرمت تو ان دلائل سے یقیناً ثابت ہوتی ہے لیکن ان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ لاعلم یا کم علم شخص کے لیے دین کے احکام کو سمجھنے کے لیے فقہاء وعلماء کا اتباع حرام ہے اور ہر ایک پر لازم ہے کہ وہ خود اجتہاد کرے۔ بلکہ اس کے برعکس قوی دلائل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دین کے احکام کو سمجھنے کے لیے لاعلم یا کم علم شخص پر فقہاء عابدین اور علماء دین کا اتباع لازم ہے۔ البتہ تابع کو جب معلوم ہو جائے کہ میرے متبوع کا فتویٰ او راجتہاد قرآن وسنت کے منصوص حکم کے خلاف ہے تو اس کا اتباع جائز نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حوالہ جات وحواشی

۱۔ ملحق البرہان للجوینی، طبع دار الانصار، قاہرہ، ۱۴۰۰ھ، کتاب الاجتہاد۲، ص ۱۳۵۸ھ
۲۔ المستصفی للغزالی، ج ۲، ص ۳۸۷
۳۔ الاحکام فی اصول الاحکام للآمدی، طبع بیروت، ج ۴۳، ص ۴۴۵
۴۔ روضۃ الناظر وجنۃ المناظر لابن قدامۃ، طبع بیروت ۱۹۸۱ء، ص ۲۰۵
۵۔ مسلم الثبوت بمعہ فواتح الرحموت فی ذیل المستصفی، ج ۲، ص ۴۰۰
۶۔ تفسیر ماجدی، سورہ توبہ آیت ۳۱
۷۔ عیسائیت کیا ہے؟ از مولانا تقی عثمانی، طبع دار الاشاعت، کراچی ۲، ۱۹۷۲ء، ص ۷۱۔۸۱
۸۔ آل عمران: ۶۴
۹۔ التوبہ: ۳۱
۱۰۔ ترمذی، کتاب التفسیر، سورۃ براءت آیت: ۳۱
۱۱۔ تفسیر ابن کثیر، سورۃ براءت آیت ۳۱
۱۲۔ البقرۃ: ۱۶۵
۱۳۔ تفسیر ابن جریر ص ۶۶، ج ۱، البقرۃ ۱۶۵
۱۴۔ المیزان الکبریٰ، از امام شعرانی، ج ۱، ص ۵۸ مطبع ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
۱۵۔ اعلام الموقعین لابن قیم، ج ۲، ص ۱۸۲، طبع دار الفکر، بیروت، ۱۹۷۷ء
۱۶۔ حوالہ بالا
۱۷۔ کتاب الام، جماع العلم، ج ۷، ص ۲۷۳
۱۸۔ اعلام الموقعین لابن قیم، ج ۲، ص ۱۸۲، طبع دار الفکر، بیروت، ۱۹۷۷ء
۱۹۔ جامع بیان العلم وفضلہ، ج ۲، ص ۱۰۹، ۱۱۰، طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت
۲۰۔ حوالہ بالا، ص ۱۱۷
۲۱۔ تفسیر کبیر، ج ۱۶، ص ۳۷، التوبہ: ۳۱
۲۲۔ تفسیر قرطبی، ج ۲، ص ۱۴۲، البقرۃ: ۱۷۰
۲۳۔ حوالہ بالا، ص ۱۷۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۴۔ اعلام الموقعین لابن قیم، ج ۲، ص ۱۶۸۔۱۶۹، طبع دار الفکر، بیروت، ۱۹۷۷ء

۲۵۔ حجۃ اللہ البالغۃ، ج ۱، ص ۱۵۴ تا ۱۵۶، طبع مکتبہ سلفیہ، لاہور ۱۹۷۵ء

۲۶۔ فتاویٰ عزیزی، ص ۱۲۴۔۱۶۸، طبع دار الاشاعت گوالمنڈی چوک، کوئٹہ

۲۷۔ تفسیر مظہری، ج ۲، ص ۶۲۔۶۳، آل عمران: ۶۴

۲۸۔ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب ان تخییرہ امراۃ لا یکون طلاقا

۲۹۔ احکام القرآن للجصاص، النساء: ۸۳، ج ۳، ص ۱۸۳

۳۰۔ تفسیر کبیر للامام الرازی، ج ۱۰، ص ۲۰۰، النساء: ۸۳، طبع مصر ۱۹۳۸ء

۳۱۔ تفسیر کبیر، ص ۳۶۔۳۷، الاحکام فی اصول الاحکام للآمدی، ج ۳۔۴، ص ۴۵۰۔۴۵۱،
روح المعانی، ج ۱۴، ص ۱۴۸، النحل: ۴۳

۳۲۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطھارۃ، باب اذا خاف الجنب البرد لم یغتسل

۳۳۔ معالم السنن، ج ۱، ص ۸۹، طبع دار العلم، بیروت، ۱۹۹۶ء

۳۴۔ اعلام الموقعین، ج ۱، ص ۹۔۱۰

۳۵۔ اعلام الموقعین، ج ۱، ص ۱۱۔۱۴، طبع دار الفکر ۱۹۷۷ء

۳۶۔ حوالہ بالا، ص ۲۲۔۲۳

۳۷۔ احکام القرآن للجصاص، النساء: ۸۳، ج ۳، ص ۱۸۳

۳۸۔ الاشارۃ فی اصول الفقہ للباجی، باب الکلام فی ابطال التقلید، ص ۳۸، طبع ریاض ۱۹۹۷ء

۳۹۔ حوالہ بالا، باب القول فی تقلید العامی للعالم، ص ۱۴۶

۴۰۔ جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر، ج ۲، ص ۱۱۴۔۱۱۵

۴۱۔ قواطع الادلۃ فی اصول الفقہ، ج ۲، ص ۸۲۰۔۸۲۳، طبع مکتبہ نزار مصطفیٰ البارز، ۱۹۹۸ء

۴۲۔ المستصفی للغزالی، الفن الثانی فی التقلید والاستفتاء، ج ۲، ص ۳۸۹

۴۳۔ تفسیر کبیر، ج ۱۰، ص ۲۰۰، طبع مصر ۱۹۳۸ء، المحصول فی علم الاصول، ج ۴، ص ۱۴۰۳،
طبع بیروت ۱۹۹۹ء

۴۴۔ تفسیر کبیر، ص ۳۶۔۳۷

۴۵۔ روضۃ الناظر وجنۃ المناظر، ص ۶۰۶، طبع دار الکتب، بیروت ۱۹۸۱ء

۴۶۔ الاحکام فی اصول الاحکام، الباب الثالث فی التقلید المسئلۃ الثانیۃ، ج ۳۔۴، ص ۴۵۰۔۴۵۱

۴۷۔ اعلام الموقعین، ج ۱، ص ۹۔۱۰، دار الفکر بیروت ۱۹۷۷ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۸۔ الموافقات للشاطبی، ج ۴، ص ۲۶۱

۴۹۔ الموافقات للشاطبی، ج ۴، ص ۲۹۲۔۲۹۳

۵۰۔ البحر المحیط للزرکشی، ج ۲، ص ۲۸۰۔۲۸۱، طبع وزارۃ الاوقاف کویت ۱۹۹۲ء

۵۱۔ حجۃ اللہ البالغہ، ج ۱، ص ۴۴۲، طبع قدیمی کتب خانہ، کراچی

۵۲۔ حوالہ بالا، ص ۴۴۵

۵۳۔ الاشارۃ فی اصول الفقہ للباجی، باب الکلام فی ابطال التقلید، ص ۳۸، طبع ریاض ۱۹۹۷ء

۵۴۔ المحلی لابن حزم، ج ۱، ص ۲۶، مسئلہ نمبر ۱۰۳

۵۵۔ الاحکام فی اصول الاحکام لابن حزم، ج ۶، ص ۱۵۰، الباب السادس والثلاثون فی ابطال التقلید، طبع ادارہ ضیاء السنۃ، فیصل آباد، ۱۴۰۴ھ

۵۶۔ حوالہ بالا، ص ۱۱۹

۵۷۔ حوالہ بالا، ص ۱۵۱۔۱۵۲

۵۸۔ الاشارۃ فی اصول الفقہ، ص ۱۵۳۔۱۵۵

۵۹۔ المحصول فی اصول الاحکام للرازی، ج ۴، ص ۱۴۱۷، طبع مکتبہ عصریہ، بیروت ۱۹۹۹ء

۶۰۔ الاحکام فی اصول الاحکام للآمدی، ج ۳، ص ۴۵۳، البحر المحیط فی اصول الفقہ، ج ۶، ص ۳۰۹، طبع کویت ۱۹۹۲، التحریر لابن ہمام بمع شرحہ، ج ۳، ص ۴۶۱، طبع دار الفکر، بیروت ۱۹۹۶ء

۶۱۔ الاحکام لابن حزم، ج ۶، ص ۱۱۷

۶۲۔ حوالہ بالا، ص ۷۹

۶۳۔ حوالہ بالا، ص ۷۷۔۷۸

© rasailojaraid.com